مولانا ارشد جمال اشرفی

دین آسان ہے

الاسلام مشن بنارس

مولانا ارشد جمال اشرفی

دین آسان ہے

الاسلام مشن بنارس

Deen Asaan Hai

by
Maulana Arshad jamal Ashrafi
D.43/107,Bazar Sadanand.
Varanasi.U.P.India.221001
e-mail:aimvns@gmail.com

First Published: August- 2015

Al-Islam Mission
Varanasi.U.P.India.

اِس کتاب میں

پیش لفظ

''دین آسان ہے''۔ یہ کتاب ''تعارفِ اسلام'' کے چند بکھرے ہوئے اوراق ہیں۔ اِس موضوع پر ایک مفصل اور مکمل کتاب لکھنے کی ضرورت تھی، کیونکہ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ دین کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔

دین کے دو بڑے حصے ہیں: ایک حصے کا نام عقیدہ ہے اور دوسرے کا نام عمل۔

عقیدے کا حال یہ ہے کہ اُس پر توہمات اور جذبات کی اتنی پرتیں چڑھ چکی ہیں کہ خالص عقیدے کو کُرید کر نکالنے کی ضرورت ہے۔ کہیں عقیدے کے نام پر خارجیت کا زور ہے اور کہیں اِلحاد جڑ پکڑ رہا ہے۔ ''ہماری شخصیتیں'' بھی عقیدے کا حصہ بنتی جا رہی ہیں جنھیں نہ ماننے والا گمراہ اور کافر قرار پاتا ہے۔

عمل کے نام پر رسم و رواج کا دور تک پھیلا ہوا ایک پیچیدہ سلسلہ ہے۔ کہیں عمل کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ جینا حرام ہو رہا ہے۔ جو صحیح اور ضروری عمل تھا، اُسے لوگوں نے غلط یا معمولی اور غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا۔

عقیدے اور عمل کی بربادی کے اِس دور میں ضرورت ہے کہ دین کا صحیح تعارف کرایا جائے۔ وہی تعارف جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب نے کرایا تھا، لیکن یہ کام آسان نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا آج کے دور کا سب سے بڑا ''جہاد'' ہے اور یہ جہاد اپنے ساتھ بہت ساری مصیبتیں لاتا ہے۔

یوں تو اسلام کے تعارف میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اُن تمام کتابوں میں دو میں سے ایک عیب ضرور پایا جاتا ہے۔ پہلا عیب تو یہ ہے کہ وہ کتابیں کسی مخصوص نظریے کے تحت لکھی گئی ہیں۔ اِس طرح وہ کتابیں اسلام کے تعارف کے نام پر کسی اور فکر و نظر کی ترجمانی کرتی ہیں۔ دوسرا عیب یہ ہے اور یہ عیب زیادہ تر کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ اسلام کے چند معروف پہلوؤں کے تعارف کو اسلام کا پورا تعارف سمجھا گیا ہے۔

میری یہ کتاب اسلام کا مکمل تعارف نہیں ہے، بلکہ یہ ذہن دینے کے لئے ہے کہ اسلام کا تعارف کیسا ہونا چاہیئے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اِس موضوع کے لئے صرف ایک ''نمونہ'' ہے۔ ہوسکتا ہے، اللہ کا کوئی بندہ ایک ایسی کتاب تیار کرے جو اسلام کا صحیح معنوں میں ''پیغمبرانہ تعارف'' ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اِس کام کو انجام دے گا، بلاشبہ وہ اپنے دور کا مجدّد ہوگا۔

ارشد جمال اشرفی

دِین کا تعارُف

اَلدِّینُ یُسرُ

امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ محدثین نے اپنی کتاب میں ایک باب قائم کیا ہے: ''اَلدِّینُ یُسرٌ''۔ یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس میں جو لفظ 'یُسر' ہے وہ 'عُسر' کی ضد ہے۔ عُسر کا معنی ہے: دشواری اور یُسر کا معنی ہے: آسانی۔(1) یعنی دین میں کوئی دشواری نہیں، بلکہ اُس میں آسانی رکھی گئی ہے اور یہ ''دین'' کے لئے بے حد ضروری چیز ہے۔ دین میں آسانی اِس لئے رکھی گئی ہے تا کہ لوگوں کا ذہن اُسے سمجھنے کے لئے ہر وقت کھلا رہے اور اُسے قبول کرنے کے لئے کشادہ ہو جائے۔ اگر دین کا معاملہ، دشواری کا معاملہ ہوتا تو اُسے دیکھ کر لوگوں کا ذہن پھر جاتا اور دِل تنگ ہو جاتا، اِس لئے دین کو عسر سے پاک کر کے یُسر کی حالت میں رکھا گیا ہے تا کہ دین کے مطابق زندگی گزارنے والے کسی تنگی کا شکار نہ ہوں۔ قرآن میں اُسی تنگی کو حرج کہا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:78)

(اور اللہ نے تم پر دین میں کوئی حَرَج نہیں رکھا۔)

حَرَج، عُسر کا نتیجہ ہے۔ دین میں حرج نہ ہونے کا مطلب، دین میں عُسر نہیں۔ اور جب دین میں عُسر نہیں تو اُس کا سارا معاملہ یُسر پر مبنی ہوگا۔

یُسر معیار ہے نہ کہ حُسنِ اتفاق

دین میں یُسر کا ہونا محض ایک اتفاق نہیں، بلکہ یہی دین کا مِعیار ہے۔ اللہ نے اپنے دین کو بنایا ہی ایسا ہے کہ اُس میں یُسر موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے معاملے میں ارادہ ہی کر لیا ہے کہ اُس میں یُسر باقی رہے اور عُسر سرے سے داخل ہی نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن کی اِس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:185)

(اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمھارے ساتھ دشواری کا ارادہ

---

(1) مختار الصحاح:310، 181، المصباح المنیر :155، 261، النھایۃ :295/5، 265/3

نہیں کرتا۔)

یہ مکمل آیت نہیں، بلکہ سورۃ البقرۃ کی مکمل آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اِس سے پہلے والا ٹکڑا یہ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(یعنی تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے تو اُسے اُس مہینے میں روزہ رکھنا چاہئے، لیکن جو مریض یا مسافر ہو تو وہ بعد میں کسی دن روزہ رکھ لے۔)

عام طور پر مفسرین نے آیت کے ان دونوں کو ٹکڑوں کو ملا کر تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے اور اُن کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ مسافر کے لئے یُسر (آسانی) کیا ہے اور عُسر (دشواری) کیا ہے؟

بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا یُسر ہے اور روزہ رکھنا عُسر ہے، بلکہ کچھ لوگوں نے مسافر کے لئے روزہ رکھنا ممنوع اور مکروہ قرار دے دیا ہے اور اگر کسی مسافر نے روزہ رکھ لیا تو یہ لوگ اُسے روزہ قضا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ان حضرات نے آخر ایسا حکم کیوں دیا؟ کیونکہ اُنھوں نے آیت کے دونوں ٹکڑوں کو ملا کر مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی، جس سے سیدھے طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح غیر مسافر کو روزہ رکھنے کا حکم ہے، اُسی طرح مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کا حکم ہے۔ اگر غیر مسافر کے لئے روزہ رکھنا یُسر ہے تو مسافر کے لئے روزہ رکھنا عسر ہے۔(2) لیکن جن لوگوں نے اِس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا، اُن کا کہنا یہ ہے کہ یُسر اور عُسر کا معاملہ، مسافر ہونے یا نہ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ مسافر کی حالت پر موقوف ہے۔ اگر مسافر کی حالت، یُسر کی حالت ہے تو اُسے روزہ رکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر مسافر کی حالت عسر کی حالت ہے تو بہتر ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

---

(2) تفسیر الطبری: 3/463

ایک مثال

حضرت عروہ بن زبیر (حضرت ابوبکر کے نواسہ، وفات: 94ھ) اور حضرت سالم بن عبداللہ (حضرت عمر کے پوتا، وفات: 160ھ) ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز (مروان کے پوتا، خلیفۂ راشد، وفات: 101ھ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اُس وقت وہ مدینے کے اَمیر تھے۔ اُن کے درمیان سفر میں روزہ رکھنے کی گفتگو ہونے لگی تو حضرت سالم نے کہا: ابن عمر سفر میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت عروہ نے کہا: اور حضرت عائشہ روزہ رکھتی تھیں۔ سالم نے کہا: میں نے براہ راست ابن عمر سے یہ فتویٰ حاصل کیا ہے۔ عروہ نے کہا: میں نے بھی براہِ راست یہ فتویٰ حضرت عائشہ سے حاصل کیا ہے۔ اِس بحث میں اُن دونوں کی آواز اونچی ہوگئی۔ تب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا تھا:

"اللهم عفوًا! إذا كان يُسرًا فصوموا، وإذا كان عُسرًا فأفطروا".

(اے اللہ! ہمیں معاف کر، جب سفر یُسر کی حالت میں ہو تو روزہ رکھو اور اگر عُسر کی حالت میں ہو تو روزہ مت رکھو۔)(3)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آیت کے دونوں ٹکڑوں کو محض جوڑ کر نہیں دیکھا، بلکہ اُنھوں نے یُسر اور عُسر کی حقیقت کو بھی سامنے رکھا، اِس لئے وہ زیادہ درست مفہوم تک پہنچ سکے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

ایک اور مثال

تاریخ میں اِسی طرح کی ایک اور مثال موجود ہے۔ محمد بن صالح (وفات: 168ھ) نے حضرت ابوبکر کے پوتے قاسم بن محمد (وفات: 106ھ) سے دریافت کیا کہ: ہم جاڑے کے موسم میں رمضان میں سفر کرتے ہیں تو گرمی کے موسم میں اُس کی قضا کرنے سے زیادہ آسان یہ ہے کہ ہم اُسی حالت میں روزہ رکھ لیں؟

تو قاسم بن محمد نے مذکورہ آیت پڑھتے ہوئے جواب دیا:

---

(3) تفسیر الطبری: 3/465

"ما کان أیسر علیک فافعل". (تمھیں جو زیادہ آسان ہو، کرو۔)(4)
یعنی ایسا نہیں کہ قرآن نے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی ہدایت کی ہے، یا حالتِ سفر میں روزہ رکھنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے، بلکہ روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے حقیقی یُسر اور عُسر کو دیکھا جائے گا۔ مسافر ہونے نہ ہونے سے اِس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

آیت کا حقیقی پہلو

عام طور پر مفسرین نے مذکورہ آیت کے یُسر اور عُسر کے مفہوم کو حالتِ سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے مسئلے میں محدود کر دیا ہے۔ مذکورہ آیت میں دین کا جو معیار پیش کیا گیا تھا اور یُسر اور عُسر کا جو اعلیٰ مفہوم تھا، اُس کی طرف لوگوں کا دھیان نہیں گیا، حالانکہ دوسری ہجری کی ابتدا میں وفات پانے والے تابعی امام شَعبی (وفات: 103ھ) نے غالبًا اِسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

"إذا اختلف علیک أمران فانظر أیسرھما فإنه أقرب إلی الحق، إن اللّٰه أرادبھذه الأمة الیسر، ولم یرد بھم العسر".

(جب تم پر دو معاملوں میں اختلاف ہو جائے تو اُن میں جو آسان ہو، اُسے اختیار کرو، کیونکہ وہ حق کے زیادہ قریب ہے۔ بے شک اللہ نے اِس اُمت کے ساتھ یُسر کا ارادہ کیا ہے نہ کہ اُس کے ساتھ عُسر کا ارادہ کیا ہے۔)

امام شَعبی کے اِس قول کو ابن ابی حاتم رازی (وفات: 327ھ) نے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔(5)

یعنی مذکورہ آیت، روزہ کے عُسر اور یُسر کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ روزہ کے یُسر اور عُسر کو مذکورہ آیت میں پیش کئے گئے معیار پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ﴿یُرِیدُ اللَّهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ کو اُس سے پہلے والے واقعے سے جوڑ کر محدود کرنا

---

(4) تفسیر الطبری: 3/469
(5) تفسیر ابن ابی حاتم: 1/313

درست نہیں، بلکہ آیت میں دین کا ایک عمومی معیار پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات سب سے پہلے علامہ قرطبی (وفات: 671ھ) نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں:

”والوجه عموم اللفظ فی جمیع أمور الدین کماقال تعالی: وما جعل علیکم فی الدین من حرج وروی عن النبی صلی الله علیه و سلم: دین الله یسر“.

(یعنی حالتِ سفر میں یُسر اور عُسر کی وجہ یہ ہے کہ تمام دینی معاملات میں مذکورہ آیت کے لفظی عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور اُس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ دین آسان ہے۔(6)

لھٰذا یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ یُسر، مسئلہ کا وقتی حل نہیں، بلکہ وہ دین کا دائمی اور عمومی قانون ہے۔

یُسر، عارضی یا دائمی؟

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین میں جو آسانی ہے وہ حالات کے پیشِ نظر ہے یا ضرورت کی وجہ سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ دین کی بنیاد ہی "یُسر" پر ہے۔ اِس کے اصول وقوانین، عقائد و معاملات اور اخلاقیات، ہر چیز میں "یُسر" کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حالات کے پیشِ نظر یا ضرورت کے وقت جو یُسر ہوتا ہے، وہ تو عارضی اور وقتی ہوتا ہے۔ "یُسر" عارضی اور وقتی چیز نہیں ہے، بلکہ مستقل اور دائمی ہے۔ دین اگر عمارت ہے تو یُسر اُس کی بنیاد ہیاور دین اگر جسم ہے تو یُسر اُس کے لئے روح ہے۔ یُسر کے بغیر دین کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی اور روح کے بغیر جسم صرف ایک مردہ لاش ہے۔ اِس لئے جب ایسے حالات پیدا ہونے لگیں کہ آدمی دین کے بعض قانون پر عمل کرنے میں "عُسر" (تنگی) کا شکار ہو جائے تو عُسر والی صورت چھوڑ کر یُسر والی صورت اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ عام حالات میں جو قانون اُس پر نافذ تھا، وہ یُسر کی بنیاد پر تھا، لیکن بدلتے ہوئے حالات میں وہی قانون عُسر کی وجہ بننے لگا تو اُس وقت دین کی بنیاد ہلنے لگی اور اُس کی روح

---

(6) تفسیر القرطبی: 301/2

مرنے لگی، اِس لئے فوراً دین کو عُسر کے حالات سے نکال کر یُسر کے ماحول میں لانا پڑتا ہے۔ اِسی حقیقت کو اِن لفظوں میں بیان کیا گیا ہے: "الدّین یُسرٌ "۔ یعنی دین سراسر آسان ہے۔

ابتدائی یُسر اور انتہائی یُسر

صرف یہی نہیں کہ دین میں ابتدائی یُسر مطلوب ہے، بلکہ دین میں انتہائی یُسر مطلوب ہے۔ یُسر صرف مسئلہ کا حل نہیں، بلکہ یُسر دین کا وہ پہلو ہے جو کبھی چھپا رہتا ہے۔ اُس چھپے ہوئے پہلو کو سامنے لانا اصل ذمہ داری ہے۔ اِس لئے جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ یُسر پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، جیسا کہ اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

"إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ".

(بے شک تمھارا زیادہ اچھا دین، تمھارا اَیسر دین ہے۔ بے شک تمھارا زیادہ اچھا دین، تمھارا اَیسر دین ہے۔ بے شک تمھارا زیادہ اچھا دین، تمھارا اَیسر دین ہے۔) (7)

اَیسر کا مطلب ہے: زیادہ یُسر والا۔ یعنی یُسر کے مقابلے میں اَیسر ہو تو یُسر کو چھوڑ کر اَیسر کو اختیار کرنا، یُسر کی حد سے نکل کر اَیسر کی حد میں داخل ہونا، زیادہ بہتر رویَّہ ہے اور یہ بہتر رویَّہ ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے۔

کیونکہ انسان کمزور ہے

'یُسر' کو ایک دوسرے اعتبار سے قرآن میں " تخفیف " کہا گیا ہے۔ انسان بنیادی طور پر کمزور ہے، اِس لئے انسان کو ایسا حکم نہیں دیا جاتا، جس سے وہ بوجھل ہو جائے، بلکہ ایسا حکم دیا جاتا ہے جو اُس کا بوجھ ہلکا کرے، اُس کے لئے تخفیف پیدا کرے اور انسان کی یہ تخفیف کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ یہی اللہ کا ارادہ ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

---

(7) مسند الامام احمد: 8/249 (حدیث: 20885)
المعجم الکبیر: 20/296 (حدیث: 704)
الادب المفرد: 341 (حدیث: 120)

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ (النساء:28)

(یعنی اللہ تم پر تخفیف کرنے کا ارادہ کرتا ہے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔)

امام طاؤس (وفات:106ھ) نے اِس آیت کی جو تفسیر کی ہے، اُس سے آیت کا مفہوم محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اُنھوں نے اِس آیت کو اِس سے پہلے والی آیتوں سے جوڑ کر مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔(8)

مفسر طبری (وفات:310ھ) نے امام طاؤس کی بھرپور تائید کی ہے اور اُن کی ترجمانی کرتے ہوئے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے:

> (اللہ تم پر تخفیف کرنے کا ارادہ کرتا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تم پر آسانی کرے، اِس لئے اُس نے اجازت دی ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے میں تم بے بس ٹھہرو تو مومن باندیوں سے نکاح کرلو۔(اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔) اِس کا مطلب یہ ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے میں تمھاری بے بسی کی وجہ سے اُس نے تمھارے لئے یہ آسانی پیدا کی ہے، کیونکہ انسان عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی خواہش چھوڑ دینے میں عاجز اور کمزور ہے اور بڑا بے صبرا ہے، لھٰذا جب تمھیں اپنے لئے زنا کا اندیشہ ہو اور آزاد عورت سے نکاح کرنے میں بے بسی ہو تو اُس نے تمھیں اپنی مومن باندیوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ تم زنا میں نہ پڑ جاؤ، کیونکہ تمھیں عورتوں سے ہمبستری کی خواہش چھوڑ دینے میں صبر کم ہے۔)

امام مجاہد نے اِس آیت کو وسیع معنوں میں لیا ہے اور ایک ایسی تفسیر کی ہے جو دین کی اصل حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

﴿يريد الله أن يخفف عنكم " في نكاح الأمة، وفي كل شيء فيه يُسر﴾

---

(8) تفسیر ابن منذر:2/658
تفسیر ابن ابی حاتم:1/926، تفسیر الطبری:8/216

(یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کرنے کا ارادہ کرتا ہے، باندی سے نکاح کرنے کے سلسلے میں بھی ہے اور ہر اُس چیز میں بھی ہے جس میں آسانی ہو۔)(9)

یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے لئے اس طرح تخفیف کا ارادہ رکھتا ہے کہ تم ہر آسان صورت کو اختیار کرلو، کیونکہ انسان کمزور ہے وہ بوجھ کو سہ نہیں سکتا۔

بعد کے کچھ مفسرین نے بھی امام مجاہد کی تائید کی ہے، چنانچہ مفسر ثعلبی (وفات: 427ھ) لکھتے ہیں:

"فی نكاح الأمة، إذا لم تجدوا طول الحرة وفی كل أحكام الشرع } وَخُلِقَ الإنسان ضَعِيفًا{ فی كل شیء".

(یعنی باندی سے نکاح کرنے میں اللہ تعالیٰ تم سے تخفیف کا ارادہ کرتا ہے، جبکہ تمھیں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی وسعت نہ ہو اور شریعت کے سارے احکام میں تم سے تخفیف چاہتا ہے اور انسان ہر چیز میں کمزور پیدا کیا گیا ہے۔)(10)

مفسر واحدی (وفات:468ھ) لکھتے ہیں:

" یعنی فی احکام الشرع وفی جمیع ما یسره الله لنا وسهله علینا ولم یثقل التكلیف كما ثقل علی بنی اسرائیل".

(یعنی اللہ تخفیف کا ارادہ کرتا ہے، شریعت کے احکام میں اور تمام اُن چیزوں میں جسے اللہ نے ہمارے لئے آسان اور سہل بنایا ہے اور اُس نے ہم پر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر یہ بوجھ ڈالا تھا۔)(11)

مفسر بغوی (وفات:516ھ) لکھتے ہیں:

---

(9) تفسیر ابن منذر: 2/658

تفسیر ابن ابی حاتم: 1/926

تفسیر الطبری: 8/215

(10) تفسیر الثعلبی: 3/291

(11) تفسیر الواحدی: 2/37

" يسهلَ عليكم في أحكام الشرع، وقد سهل كما قال جلّ ذكره: ويضع عنهم إصرهم". (الاعراف:157)

(یعنی وہ تم پر شریعت کے احکام میں سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے اور اُس نے سہولت پیدا کردی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اور وہ اُن سے اُن کا بوجھ اتاردے گا۔)(12)

علامہ ابن کثیر (وفات: 774ھ) لکھتے ہیں:

"في شرائعه وأوامره ونواهيه وما يقدره لكم، ولهذا أباح نكاح الإماء بشروطه، كما قال مجاهد وغيره:} خُلِقَ الإِنْسَانُ ضَعِيفًا { فناسبه التخفيف؛ لضعفه في نفسه وضعف عزمه وهمته ."(13)

(یعنی اللہ اپنی شریعتوں میں اور اپنے امرونہی میں اور ہر اُس چیز میں جو تمھارے لئے وہ مقرر کرتا ہے، تمھارے لئے تخفیف چاہتا ہے۔ اِسی لئے اُس نے کچھ شرطوں کے ساتھ باندی سے نکاح کرنے کو جائز کیا، جیسا کہ مجاہد وغیرہ نے کہا۔ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے، اِس لئے تخفیف اُس کے لئے مناسب ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ میں بھی کمزور ہے اور اپنے ارادہ اور اپنے حوصلہ میں بھی کمزور ہے۔)

علامہ ابن کثیر نے مختصر لفظوں میں دین کی اُس حقیقت کو واضح کردیا ہے جسے حدیث میں اَیسر (زیادہ آسان) اور قرآن میں تخفیف کہا گیا ہے۔ یہی خیرِ دین بھی ہے اور اللہ کا ارادہ بھی۔

روشن شاہراہ

حدیث میں دین کا تعارف کراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ روشن شاہراہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنے صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

" قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِى إِلَّا هَالِكٌ ".

---

(12) تفسیر البغوی: 2/199

(13) تفسیر ابن کثیر: 2/267

(یعنی میں نے تم کو روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے، اُس کی رات، دن کے اُجالے کی طرح ہے۔ میرے بعد اُس (روشن شاہراہ) سے ہٹنے والا، ہلاک ہونے والا ہی ہوگا۔)(14)

یہاں روشن شاہراہ سے مراد دین اور شریعت ہے۔ جو چیز روشن ہوتی ہے اُس کے لئے رات اور دن کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مثلاً ٹی وی کی اسکرین روشن اسکرین ہوتی ہے۔ اگر رات کے وقت بند کمرے میں ٹی وی آن کیا جائے تو ٹی وی پر جو سین نظر آئے گا، وہ پوری طرح واضح اور صاف نظر آئے گا۔ چاہے کمرے کا ٹیوب لائٹ آن ہو یا آف ہو، کیونکہ ٹی وی کی اسکرین بذات خود روشن ہے۔ اب اُس کا سین دیکھنے کے لئے الگ سے کسی روشنی کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہی معاملہ دین کا معاملہ ہے۔ دین بھی بذات خود روشن ہے۔ دین کے روشن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دین کے تمام ضروری اور بنیادی پہلوؤں کو واضح کر کے اپنے صحابہ کے سامنے پیش کیا۔ اپنے قول کے ذریعے بھی اور اپنے فعل کے ذریعے بھی۔ اِس طرح یہ دین پورے طور پر واضح اور روشن ہوگیا۔ اب اِس دین کو اختیار کر کے، اُس پر چلنے والے کو یہ شکایت نہیں ہوسکتی کہ آگے راستہ نظر نہیں آ رہا ہے، یا وہ اِس سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ دائیں بائیں خطرہ ہے۔ یہ شکایت اور یہ خطرہ اُس صورت میں ہوتا ہے، جبکہ راستہ تاریک ہو۔ لیکن دین، رہنمائی کے اعتبار سے پورے معنوں میں روشن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا یہ جو تعارف کرایا ہے، بعد میں صحابہ نے اپنی زندگی میں اُس کا تجربہ کیا اور رسول نے جیسا فرمایا تھا، اُنھوں نے دین کو ویسا ہی پایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اِس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

” وَاللَّهِ مَا مَاتَ حَتَّى تَرَكَ السَّبِيلَ نَهْجاً وَاضِحاً، فَأَحَلَّ الْحَلاَلَ وَحَرَّمَ الْحَرَامَ، وَنَكَحَ وَطَلَّقَ وَحَارَبَ وَسَالَمَ، مَا كَانَ رَاعِي غَنَمٍ يَتْبَعُ بِهَا صَاحِبُهَا رُءُوس

---

(14) مسند الامام احمد: 134/7 (حدیث: 17606)
سنن ابن ماجہ: المقدمۃ/ باب اتِّبَاعِ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِيِّينَ) حدیث: (43)

الْجِبَالِ يَخْبِطُ عَلَيْهَا الْعِضَاهَ بِمِخْبَطِهِ وَيَمْدُرُ حَوْضَهَا بِيَدِهِ بِأَنْصَبَ وَلاَ أَدْأَبَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ فِيكُمْ".

(اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اُس وقت ہوئی جب آپ نے دین کے راستے کو خوب واضح کر دیا، حلال اور حرام کو بتا دیا، نکاح اور طلاق دے کر سکھا دیا، جنگ کر کے اور صلح کر کے دکھا دیا۔ کوئی چرواہا اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے اور اُن کے لئے بڑے بڑے درختوں کے پتے توڑے اور اپنے ہاتھ سے اُن کا حوض مٹی سے لیپے، تب بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھکنے اور محنت کرنے والا نہیں ہوسکتا جیسا کہ وہ تمھارے درمیان رہ کر تھکتے اور محنت کیا کرتے تھے۔)(15)

یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو دین سکھانے کے لئےاور اُن کی اصلاح وتربیت کرنے کے لئے بہت زیادہ محنت کیا کرتے تھے۔ اتنی زیادہ محنت اِس اعتبار سے تھی کہ اُن پر دین کا ہر پہلو دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو جائے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اِس سے بھی زیادہ وسیع تجربہ پیش کیا، وہ کہتے ہیں:

" تَرَكَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ، إِلا وَهُوَ يُذَكِّرُنَا مِنْهُ عِلْمًا، قَالَ: فَقَالَ: صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ، إِلا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ ".

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اِس حال میں چھوڑ کر دنیا سے گئے کہ آپ ہوا میں اڑنے والے پرندے کے بارے میں بھی ہمیں علم سکھا رہے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز ایسی نہیں رہ گئی جو تمھیں بتا نہ دی گئی ہو۔(16)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی اخیر عمر میں لوگوں سے اِس طرح

---

(15)سنن الدارمی:119/1، باب فی وفاۃ النبی ﷺ)حدیث:(90)

(16)مسند الامام احمد:516/8(حدیث:2170)

المعجم الکبیر:156,155/2(حدیث:1647)

مسند البزار: کتاب العلم/ باب بث العلم(حدیث:147)

خطاب کیا:

" أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ سُنَّتْ لَكُمُ السُّنَنُ وَفُرِضَتْ لَكُمُ الْفَرَائِضُ وَتُرِكْتُمْ عَلَى الْوَاضِحَةِ إِلَّا أَنْ تَضِلُّوا بِالنَّاسِ يَمِينًا وَشِمَالاً ".

(اے لوگو! تمھارے لئے سنتیں بیان کردی گئیں، فرائض بتا دیئے گئے اور تمھیں کھلے راستے پر چھوڑ دیا گیا، مگر یہ کہ آئندہ تم دوسروں کو دائیں بائیں بہکالے جاؤ۔(17)

یہ صحابہ اپنے تجربات اور معلومات کی روشنی میں گواہی دے رہے ہیں کہ دین کوئی مبہم چیز نہیں، بلکہ وہ واضح چیز ہے۔ دین کے معاملات تاریکی میں نہیں، بلکہ وہ بھرپور روشنی میں ہیں۔ جو چیز واضح اور روشن ہوتی ہے، اُسے سمجھنے میں اور عملی طور پر اُسے اختیار کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ دین کا روشن ہونا، دوسرے لفظوں میں دین کا آسان ہونا ہے۔

سیدھا اور کشادہ

امام احمد، امام بخاری، امام طبرانی اور امام بزار نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا دین اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟

آپ نے جواب دیا: " الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ ".

(یعنی جو سیدھا اور کشادہ ہو۔(18)

الْحَنِيفِيَّةُ کا اصل معنی ہے: کسی چیز کی طرف مائل ہونا۔ اِس بنیاد پر اسلام کی طرف مائل ہونے والے کو لغت میں "حنیف" کہا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا مسلم ہی کا

---

(17) الموطا: کتاب الحدود/ باب ما جاء فی الرجم (حدیث:164)

(18) مسند الامام احمد:86/2 (حدیث:2114)

الادب المفرد:104 (حدیث:287)

المعجم الکبیر:227/11 (حدیث:11572)

کشف الاستار:58/1 (حدیث:78)

دوسرا نام ''حنیف'' ہے۔(19) عرب والے اُس شخص کو حنیف کہتے تھے جو دینِ ابراہیم پر قائم ہو۔ دینِ ابراہیم کیا تھا؟ یہ ''بت پرستی کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کرنا'' تھا۔ قرآن میں حضرت ابراہیم کا جو تعارف کرایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا﴾.

(آل عمران: 67)

(ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، وہ تو سیدھے مسلمان تھے۔)

قرآن کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ اَلْحَنِیْفِیَّۃُ سے یہی دینِ ابراہیمی مراد ہے اور یہ دینِ ابراہیمی، یہودیت اور نصرانیت کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ پھر حدیث میں اِسی اَلْحَنِیْفِیَّۃُ (دین ابراہیمی) کو السمحۃ بھی کہا گیا ہے۔ یہ لفظ تنگی اور سختی کی ضد کے طور پر بولا جاتا ہے، جو کشادگی اور نرمی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ یعنی جس دینِ ابراہیمی کو اَلْحَنِیْفِیَّۃُ کہا گیا ہے، وہ کشادہ اور نرم دین ہے۔ اِس کے مقابلے میں یہودیت اور نصرانیت تنگ اور سخت دین ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اِسی اَلْحَنِیْفِیَّۃُ کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آپ کا یہ جملہ موجود ہے:

" إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلاَ بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ ".

(بے شک میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، بلکہ اَلْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃُ کے ساتھ بھیجا گیا۔) (20)

امام احمد نے اِسی طرح کی ایک اور روایت نقل کی ہیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا:

" لَتَعْلَمُ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ ".

---

(19) الصحاح: 1347

المصباح المنیر: 59، النہایۃ: 1/451

(20) مسند الامام احمد: 207/9 (حدیث: 22929)

المعجم الکبیر: 257/8 (حدیث: 7868)

(یہود اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے، مجھے تو سیدھے، کشادہ دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔)(21)

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ دین بنیادی طور پر کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔ یہود اور نصاریٰ نے اُسے پیچیدہ اور مشکل بنا دیا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور سے اخیر زمانہ میں بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے دین کو اُس کی اصل شکل میں پیش کریں اور آسان بنا کر پیش کریں، جیسا کہ ایک موقع پر آپ نے خود فرمایا:

"اِنَّكُمْ أُمَّةٌ أُرِيدَ بِكُمُ الْيُسْرُ".

(بے شک تم ایک ایسی اُمت ہو جس کے ساتھ آسانی کا ارادہ کیا گیا ہے۔)(22)

ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ تَعَالٰى رَضِيَ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ الْيُسْرَ، وَكَرِهَ لَهَا الْعُسْرَ قَالَهَا ثَلَاثًا".

(بے شک اللہ تعالیٰ اِس اُمت کے حق میں یُسر سے راضی ہے اور اُس کے لئے عُسر اُسے ناپسند ہے۔ مِجْجَن بن اَدْرَع سُلَمی جو اِس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بات کو تین مرتبہ کہا۔)(23)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے بھیجا ہی اِسی لئے تھا کہ آپ اُس کے بندوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں۔

صحابہ کی ذمہ داری

جس طرح پیغمبر کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ دین کے معاملے میں آسانی اختیار کریں، اُسی طرح پیغمبر کے ساتھیوں کی بھی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ دین کو ٹھیک اُسی طرح

---

(21) مسند الامام احمد: 236/10 (حدیث: 25597)

(22) مسند الامام احمد: 248/8 (حدیث: 20883)

(23) المعجم الکبیر: 298/20 (حدیث: 707)

پیش کریں، جس طرح پیغمبر نے اُن کے سامنے دین کو آسان بنا کر پیش کیا تھا۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اُن کی اِس ذمہ داری سے آگاہ کر دیا تھا اور اُنھیں صاف لفظوں میں بتا دیا تھا:

"فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ".

(یعنی تم لوگوں کو آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا نہ کہ تنگی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا۔)(24)

صحابہ کو اِس بات کا ذمہ دار بنا دیا گیا تھا کہ وہ دین کے معاملے میں اِس طرح کی باتیں نہ کریں کہ لوگ سن سن کر تنگ آ جائیں اور اُن کے لئے اُن باتوں پر عمل کرنا دشوار ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بات پر بہت زیادہ زور ڈالا تھا کہ صحابہ کا گروہ آسانی پیدا کرنے والا گروہ بنے اور اُنھیں سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا کہ وہ دشواری اور تنگی ڈالنے والے نہ بنیں۔ آپ نے باقاعدہ اپنے صحابہ کو اِس کام کے لئے خصوصی ہدایت دی تھی اور ایک خاص طریقے سے اُن کی تربیت فرمائی تھی۔ یہاں اُس کی چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت ابوبُردہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا تو اُنھیں یہ ہدایت کی:

"يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلاَ تَخْتَلِفَا".

---

(24) مسند الامام احمد: 38/4 (حدیث: 7457)

بخاری: کِتَابُ الْوُضُوءِ/ بابُ صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ (حدیث: 220)

+ کِتَابُ الأَدَب/ بابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم «يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا» (حدیث: 6128)

ابوداؤد: کِتَابُ الطهارة/ بابُ الأَرْضِ يُصِيبُهَا الْبَوْلُ (حدیث: 380)

ترمذی: اَبوابُ الطهارة/ بابُ مَاجَاءَ فِي الْبَوْلِ يُصِيبُ الأَرْضَ (حدیث: 147)

نسائی: کِتَابُ الطهارة/ بابُ تَرْكِ التَّوْقِيتِ فِي الْمَاءِ (حدیث: 54)

(یعنی تم دونوں آسانی پیدا کرنا اور تنگی مت ڈالنا،خوش کرنے a ورقریب کرنے والی باتیں کرنا،لوگوں میں نفرت پیدا کرنے والی اور اُنھیں دور کرنے والی باتیں نہ کرنا، ناگوار معاملے کو نبھانا اور عوام میں پھوٹ مت ڈالنا۔)(25)

ایک اور موقع پر یہی بات آپ نے تمام صحابہ سے کہی تھی۔جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا".

(یعنی آسانی اختیار کرو اور دشواری میں مت پڑو،لوگوں کو مطمئن کرو اور اُنھیں بد دل مت کرو۔) (26)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا".

(بے شک دین میں آسانی ہے اور ہرگز کوئی دینی عمل زبردستی نہ کرے ورنہ وہ عمل اُسے تھکا دے گا،لھذا بیچ کا راستہ اختیار کرو اور اگر تم اُسے پورا انجام نہ دے سکو تو اتنا کرو کہ اُس عمل کے قریب ہو جاؤ اور تھوڑے عمل پر بھی ثواب کی بشارت دو۔) (27)

---

(25)مسند الامام احمد:105/8(حدیث:20273)

بخاری: کِتَابُ الأَدب/ بابُ قَولِ النَّبِيِّ ﷺ »يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا«(حدیث:6124)

مسلم: کِتَاب الجهاد والسير باب فِي الأَمْرِ بِالتَّيْسِيرِ وَتَرْكِ التَّنْفِيرِ (حدیث:4623)

(26)مسند الامام احمد:370/5(حدیث:12667)

بخاری: کِتَابُ الأَدب/ بابُ قَولِ النَّبِيِّ ﷺ »يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا«(حدیث:6125)

مسلم: کِتَاب الجهاد والسير باب فِي الأَمْرِ بِالتَّيْسِيرِ وَتَرْكِ التَّنْفِيرِ (حدیث:4626)

(27)بخاری: کِتَاب الإِيمان/ باب الدِّينُ يُسْرٌ ،(حدیث:39)

نسائی: کِتَاب الإِيمان وشرائعه/ باب الدِّينُ يُسْرٌ (حدیث:122)

شعب الایمان:393/5(حدیث:3598)

حضرت بُریدہ اَسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عَلَيْكُمْ هَدْياً قَاصِداً فَإِنَّهُ مَنْ يُّشَادُّ هٰذَا الدِّينَ يَغْلِبْهُ“.

(تم پر ضروری ہے کہ درمیانی چال اختیار کرو، کیونکہ بے شک جو اِس دین کے ساتھ لڑے گا (یعنی طاقت سے باہر کوئی عمل کرے گا) تو دین اُسے پچھاڑ دیگا۔(28)

حضرت حَکَم بن حَزْن کُلَفِی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ دنوں قیام کیا، درمیان میں جمعہ کا دن آیا تو آپ کمان یا عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ لَنْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تُطِيقُوا كُلَّ مَا أُمِرْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا“.

(اے لوگو! تمھیں سارے احکام پر عمل کرنے کی طاقت نہیں، البتہ بیچ کا راستہ اختیار کرو اور تھوڑے عمل پر بھی ثواب کی بشارت دو۔)(29)

حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا:

” أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ « وَقَالَ » اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ “.

(پابندی سے کیا جانے والا عمل، اگرچہ کم ہو، اور فرمایا: اتنا ہی عمل کرو جتنا

---

(28) مسند الامام احمد: 9/431 (حدیث: 23699)

شعب الایمان: 5/393 (حدیث: +3599)

المستدرک: 1/448 (حدیث: 1177)

(29) مسند الامام احمد: 7/334 (حدیث: 18335، 18334)

ابوداؤد: کِتَابُ الصلاۃ/ بابُ الرَّجُلِ یَخْطُبُ عَلَی قَوْسٍ (حدیث: 1098)

مسند ابی یعلی: 6/201 (حدیث: 6791)

المعجم الکبیر: 3/337 (حدیث: 3165)

کر سکتے ہو۔)(30)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس "حولاء" نام کی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، پوچھا: یہ کون عورت ہے؟ بتایا کہ یہ فلاں عورت ہے۔ اِس کے بارے میں لوگ بتاتے ہیں کہ رات بھر سوتی نہیں، نماز پڑھتی رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات اِس حد تک ناگوار معلوم ہوئی کہ آپ کے چہرے سے ناگواری جھلکنے لگی، پھر آپ نے فرمایا:

"مَهْ عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الأَعْمَالِ، فَإِنَّ اللَّهَ لا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا".

(چپ رہو، تم پر اتنا ہی عمل ضروری ہے جتنا کر سکتے ہو، بے شک اللہ نہیں اُکتاتا، یہاں تک کہ تم خود ہی اُکتا جاؤ گے۔(31)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں اُتنا روزہ نہیں رکھتے تھے جتنا شعبان کے مہینے میں روزہ رکھتے تھے، کیونکہ آپ پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے اور کہتے تھے: اُتنا ہی عمل کرو جتنا کر سکتے ہو، کیونکہ اللہ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود اُکتا جاؤ گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پسندیدہ نماز وہ تھی جس کو پابندی سے ادا کیا جائے، اگرچہ وہ کم ہو اور جب آپ کوئی نفل نماز پڑھتے تو اُس کی پابندی کرتے۔(32)

---

(30) مسند الامام احمد: 389/10 (حدیث: 26173)

بخاری: کِتَاب الرقاق/ باب القَصْدِ وَالمُدَاوَمَةِ عَلَى العَمَلِ، (حدیث: 5465)

(31) الموطا: صلاۃ اللیل/ باب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ، (حدیث: 280)

مسند الامام احمد:: 579/10 (حدیث: 26848)+67/10 (حدیث: 24977)

بخاری: کِتَاب الإِیمان/ باب أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ (حدیث: 32)

مسلم: کِتَاب صلاۃ المسافرین/ باب أَمْرِ مَنْ نَعَسَ فِي صَلَاتِهِ (حدیث: 1869)

نسائی: کِتَاب الإِیمان وشرائعہ/ باب أَحَبِّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (حدیث: 5035)

ابن ماجہ: کِتَاب الزہد/ باب المُدَاوَمَةِ عَلَى العَمَلِ (حدیث: 4309)

(32) مسند الامام احمد: 266/10، حدیث: 25709)

بخاری: کِتَاب الصوم/ باب صَوْمِ شَعْبَانَ (حدیث: 1970)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں الگ تھلگ چٹائی بچھا کر نماز پڑھتے اور دن میں اُسے بچھا کر بیٹھتے۔تو لوگ آ آ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، یہاں تک کہ جب بھیڑ بڑھ گئی تو آپ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللَّهَ لاَ يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ".

(اے لوگو! اتُنا ہی عمل اختیار کرو جتنا کرسکو۔ بے شک اللہ نہیں اکتا تا،تم لوگ خود ہی اُکتا جاؤ گے۔ بے شک اللہ کا سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں پابندی ہو،اگر چہ کم ہو۔)(33)

اِن مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین کے اِس معاملہ میں کتنے سنجیدہ تھے اور کس طرح وہ اپنے صحابہ کو ہر موقع پر ہدایت دیتے تھے تا کہ دین کا یہ خاص اور ضروری پہلو ہر وقت اُن کے سامنے رہے اور وہ کسی موقع پر، کسی معاملے میں تنگی اور دشواری پیدا کرنے والے نہ بنیں اور یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیں کہ دین ہر مشکل کو آسان کرنے کے لئے اور ہر تنگی کو کھولنے کے لئے آیا ہے اور یہ چیز دین میں ایک اہم اُصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب ہم اِس کے لئے کچھ ثبوت اکٹھا کریں گے اور یہ دِکھائیں گے کہ دین نے کہاں کہاں آسانیاں پیدا کی ہیں اور کون کون سی تنگی کو دور کیا ہے۔ہم نے اِس گفتگو کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

■ پہلا حصہ: عقیدے کی آسانی ■ دوسرا حصہ: عمل کی آسانی۔
تیسرا حصہ: معاملات کی آسانی ■ چوتھا حصہ: زندگی کی آسانی۔

---

(33) مسند الامام احمد: 35/10 (حدیث: 24853)
بخاری: کِتَاب اللباس/ باب الْجُلُوسِ عَلَى الْحَصِيرِ وَنَحْوِهِ (حدیث: 5861)
مسلم: کِتَاب صلاۃ المسافرین/ بَاب فَضِيلَةِ الْعَمَلِ الدَّائِمِ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَغَيْرِهِ (حدیث:1863)
نسائی: کِتَاب القبلۃ/ باب الْمُصَلِّي يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الإِمَامِ سُتْرَةٌ (حدیث: 762)

پہلا حصہ

عقیدے کی آسانی

عقیدے کی آسانی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ماحول میں شرک کے خلاف آواز اُٹھائی اور جن لوگوں کو توحید کی دعوت پیش کی، وہ ایک ایسا ماحول تھا جہاں شرک کی مخالفت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ عام طور پر اُس ماحول میں پرورش پانے والا ایک بچہ بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اُن کے سیکڑوں بتوں اور خداؤں سے ہٹ کر کوئی تنہا اور اکیلا معبود بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے ماحول میں "توحید کا معاملہ " نہ صرف یہ کہ اُن کے لئے انتہائی حیرت ناک معاملہ تھا بلکہ اُن کی سوچ کے اعتبار سے یہ ایک خطرناک جرم بھی تھا۔ جہاں شرک کے خلاف ایک لفظ برداشت کرنے والا کوئی نہ ہو، وہاں توحید کی دعوت پیش کرنا، بڑی ہمت کی بات بھی ہے اور بڑی مایوسی کا معاملہ بھی، مگر پھر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمت کی اور ہزار مایوسی کا دُکھ ہونے کے باوجود بھی توحید کی دعوت شروع کر دی۔ بات بگڑتی گئی اور شرک کے خلاف آواز اُٹھانے والے کی جان پر بَن آئی۔ لیکن دھیرے دھیرے لوگوں نے توحید کو سننا اور سمجھنا شروع کر دیا۔ آخر کار وہ دن بھی آیا جب کہ بہت سے لوگوں نے ''شرک'' کو چھوڑ دیا اور ''توحید'' کو عقیدے کی حد تک دل کی گہرائی سے تسلیم کر لیا۔ یہ چھوٹا سا انقلاب تھا جو کسی بڑے انقلاب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دعوتِ دین کی سادگی

شرک میں ڈوبے ہوئے لوگوں نے توحید کو اُس کی حقیقت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی بنیاد پر تسلیم کیا تھا، لیکن یہاں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو دعوت شروع کی تھی، وہ بہت ہی سادہ، آسان اور مختصر لفظوں میں تھی۔ چنانچہ رَبیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دورِ جاہلیت میں دیکھا کہ آپ ذوالمجَاز اور عُکاظ کے بازار میں، گلی کوچوں کے اندر یہ آواز لگا رہے ہیں: '' يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تُفْلِحُوا''.

(اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ آواز سن کر لوگ آپ کے پاس بھیڑ لگا لیتے، لیکن ایک گورا چٹّا اور بھینگا آدمی جس کی دو چوٹیاں تھیں، وہ آپ کے پیچھے لگا رہتا اور یہ کہتا جاتا کہ بِلا شُبہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بے دین اور جھوٹا آدمی ہے۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ: یہ آواز لگانے والا کون ہے؟ کہا کہ: محمد بن عبداللہ، اُس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے، پھر میں نے پوچھا: یہ جو اُس کو جھٹلا رہا ہے، وہ کون ہے؟ کہا کہ: اُس کا چچا ابولہب۔(34)

اِس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کا آغاز کس قدر سادہ انداز میں ہوا تھا۔ یہ اسلام کا پہلا اور حقیقی تصور تھا، اُس میں کسی طرح کی کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ سننے والے کو لگتا تھا کہ یہ دین کس قدر آسان ہے۔ دعوتِ دین کی یہی سادگی اور آسانی تھی جس نے تھوڑی سی مدت میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی طرح کا ایک اور پیغام، دین کے ابتدائی مرحلہ میں پیش کیا تھا، جبکہ فرائض اور دوسرے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا تھا: ”مَنْ قَالَ: لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ“. (جو دل سے مانے گا کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(35)

بلکہ ” لاَ إِلَهَ إِلا اللَّهُ “ کی بنیاد پر جنت میں داخل ہونے کا تصور اِتنا زیادہ بنیادی اور ضروری تھا کہ فرائض واحکام کے نازل ہونے کے بعد بھی اِس تصور میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ صحابہ اِس عقیدے کو اپنے زمانے میں بھی اتنی ہی اہمیت دیتے تھے جتنی وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہمیت دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے اُس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:۔

---

(34) مسند الامام احمد: 6/535+537 (حدیث: 4582+4590)
المعجم الکبیر: 5/61+63 (حدیث: 16443+16450)
المستدرک: 1/57 (حدیث: 39)
(35) المعجم الکبیر: 7/48 (حدیث: 6348)

حضرت صُنابحی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عُبادہ بن صامت کے پاس گیا، جبکہ وہ بسترِ موت پر تھے۔ اُنھیں دیکھ کر میں روپڑا۔ اُنھوں نے تسلّی دیتے ہوئے پوچھا کہ کیوں رورہے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر تمھارے لئے گواہی کی ضرورت ہوئی تو میں ضرور تمھارے لئے گواہی دوں گا اور اگر میری سفارش قبول کی گئی تو ضرور میں تمھارے لئے سفارش کروں گا اور اگر مجھ سے ہوسکا تو میں ضرور تمھیں نفع پہنچاؤں گا۔ اُنھوں نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے جو حدیث بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، جس میں تم لوگوں کے لئے بھلائی تھی تو میں نے اُسے تم لوگوں سے بیان کردیا، سوائے ایک حدیث کے۔ میں آج اُس حدیث کو تم لوگوں سے بیان کروں گا، جبکہ میری جان جارہی ہے۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

" مَنْ شَهِدَ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًارَسُولُ اللَّهِ حُرِّمَ عَلَى النَّارِ ".

(جو دل سے گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں تو وہ جہنم سے دور ہوگا۔ (36)

اسلام میں داخل ہونے کا یہ ایک سیدھا اور آسان راستہ تھا۔ اِسی ایک تصور کے ساتھ جینا اور مرنا نجات کے لئے کافی تھا۔ اِس کی آسانی اتنی زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ جب لوگ اسلام کا کلمہ پڑھ پڑھ کر مسلمان ہونے لگے اور پھر اُن کے لئے احکام اور فرائض نازل ہونا شروع ہوئے تو یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اِس سادہ سے کلمہ پر اعتماد کرکے بیٹھ جائیں اور عمل میں کوتاہی برتنے لگیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عُبادہ بن صامت نے عمر بھر وہ حدیث کسی کو نہ سنائی جس میں واضح طور پر یہ تھا کہ جنت کا راستہ سیدھا راستہ ہے، وہ کوئی پُر پیچ راستہ نہیں۔

---

(36) مسند الامام احمد: 330 / 9 (حدیث: 23352)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب الدّلیل علی انہٗ من مات علی التوحید (حدیث: 47)
ترمذی: کتاب الإیمان/ باب مَاجَاءَ فِیمَن یَمُوتُ وَھُوَ یَشْھَدُ (حدیث: 2638)

دین بوجھل نہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ دین کی اِس مختصر سی دعوت کو عام کر دیا جائے اور ہر زمانے کے لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ مسلمان ہونے کے لئے کسی بوجھل تصور یا غیر معقول عقیدہ کی ضرورت نہیں، لیکن بعض صحابی کے کہنے پر آپ نے اُس دعوت کو عام کرنے سے پرہیز کیا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں تشریف رکھتے تھے، میں جب وہاں پہنچا تو آپ نے مجھے اپنے دونوں نعلین دے کر کہا:

" اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ".

(یعنی اِن دونوں نعلین کو لے کر جاؤ اور اِس باغ کے باہر جو کوئی بھی تم سے ملے جو دل سے مانتے ہوئے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم اُسے جنت کی خوشخبری سنانا۔)

میں جب باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر سے میری ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ یہ نعلین کیسے ہیں، اے ابو ہریرہ؟ میں نے کہا کہ: یہ دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین ہیں۔ آپ نے یہ نعلین مجھے دے کر یہ حکم کیا ہے کہ جو کوئی بھی تم سے ملے جو دل سے مانتے ہوئے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم اُسے جنت کی خوشخبری سنانا۔

اتنا سن کر عمر نے میرے سینے پر اِس زور سے گھونسہ مارا کہ میں سُرین کے بل زمین پر گر پڑا۔ عمر نے مجھ سے کہا: چلو واپس! میں نے واپس آ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا ماجرا بیان کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ ابو ہریرہ کو میں نے ہی پیغام دے کر بھیجا تھا۔ عمر نے کہا: آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اُسی پر بھروسہ کر لیں گے، لٰھذا آپ لوگوں کو عمل کا موقع دیں۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، اُنھیں موقع دو۔ (37)

---

(37) مسلم: کتاب الإیمان/ باب الدلیل علی انہ من مات علی التوحید (حدیث: 52)

نجات کے لئے کافی

اِسی حقیت کو بیان کرنے والی ایک اور روایت بھی ہے۔ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھے۔آپ نے پوچھا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ اُنھوں نے کہا: اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔آپ نے فرمایا کہ: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اُس کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں۔اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اُس شخص کو عذاب نہ دے جو اُس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کرتا۔

حضرت معاذ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اِس کی خوشخبری نہ سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: ” لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا “.

(لوگوں کو خوشخبری نہ سناؤ ورنہ وہ اُسی پر بھروسہ کرلیں گے۔)(38)

اِن دونوں واقعوں سے یہ بات تو سامنے آ ہی گئی کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ بے حد سادہ مختصر اور آسان ہے۔

اگرچہ وہ کچھ بھی کرے

اسلام میں داخل ہونے کے لئے کسی لمبے چوڑے پروگرام کی ضرورت نہیں۔ مسلمان ہونے کے لئے کسی پیچیدہ فلسفہ اور اُلجھی ہوئی بحث کی ضرورت نہیں۔اگر کوئی مسلمان اِس مختصر سے عقیدہ پر جیتا رہا اور وہ اُسی عقیدہ پر مر گیا، چاہے وہ کتنا ہی گناہگار رہا ہو اور اُس نے بڑے سے بڑا گناہ کیا ہو، پھر بھی رہے گا وہ مسلمان ہی۔آخرت میں اُس کا وہ مختصر سا عقیدہ اُس کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ لیٹے ہوئے تھے، مجھے دیکھا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

---

(38) بخاری: کتاب الجھاد/ باب اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ، (حدیث:2856)

مسلم: کتاب الاِیمان/ باب الدلیل علی انہٗ من مات علی التوحید (حدیث:49)

" مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ ".

(جو بندہ بھی لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ کا ماننے والا ہوگا، پھر اُس کی موت اُسی پر ہوگی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔)

میں نے پوچھا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے پوچھا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ تین مرتبہ فرمایا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر فرمایا کہ اگرچہ ابوذر کی ناک مٹی میں مِل جائے۔(39)

زنا کرنا اور چوری کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ گناہوں سے ایمان ختم نہیں ہوتا اور نہ کوئی اسلام کے دائرے سے خارج ہوتا ہے، بہر حال وہ رہے گا مسلمان ہی، کیونکہ جس آسان عقیدے کی بنیاد پر وہ مسلمان ہوا تھا، وہ عقیدہ اب بھی اُس کے پاس موجود ہے۔

ظاہر دیکھا جائے گا نہ کہ باطن

جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ " لاَ إِلَـهَ إِلا اللّٰـهُ " کا ماننے والا ہے، اُس کو مسلمان تسلیم کیا جائے گا، شک وشبہ کی وجہ سے، یا قیاس وگمان کی بنیاد پر اُسے منافق یا کافر کہہ دینا خطرناک غلطی ہوگی۔ ہمیں ظاہر کو مان لینے کا حکم ہے، باطن کی تحقیق کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اِس سلسلے میں یہاں میں دو مثالیں پیش کروں گا، جس سے اندازہ ہوگا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا نظریہ تھا۔

پہلی مثال

عِتبان بن مالک رضی اللہ عنہ ایک صحابی رسول ہیں۔ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، اِس لئے مسجد نبوی میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! میری آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اور میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، لھٰذا آپ میرے گھر

---

(39) مسند الامام احمد: 545 / 8 (حدیث: 22083)
بخاری: کتاب اللباس/ باب الثِّیَابِ الْبِیضِ، (حدیث: 5827)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب مَنْ مَاتَ لاَ یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا، (حدیث: 154)

تشریف لاتے اور آ کر کسی گوشے میں نماز پڑھتے تاکہ میں اُسی جگہ نماز پڑھا کرتا آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، کل میں آؤں گا۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر تشریف لائے اور اُنھوں نے جو جگہ بتائی آپ نے وہاں نماز ادا کی، پھر کچھ دیر آپ وہاں ٹھہرے رہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر، عِتبان بن مالک کے آس پاس رہنے والے انصار بھی چلے آئے۔ اُن کے آنے سے اتنی بھیڑ ہوئی کہ پورا گھر بھر گیا۔ گفتگو چھڑی تو منافقوں کی بات نکل آئی کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو کتنا ستایا اور کتنا پریشان کیا۔ اُسی گفتگو میں مالک بن دُخشُم کا تذکرہ ہونے لگا۔ انصار نے اُسے بھی برا بھلا کہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہے تھے۔ جب وہ لوگ مالک بن دُخشُم کی بہت زیادہ مذمت کرنے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ ” لاَ إِلٰہَ إِلا اللّٰہُ “ کی گواہی نہیں دیتا۔ جب آپ نے تین تین بار پوچھا تو اُنھوں نے کہا: یقیناً وہ گواہی دیتا ہے۔ تب آپ نے فرمایا:

” وَالَّذِی بَعَثَنِی بِالْحَقِّ لَئِنْ قَالَھَا صَادِقاً مِنْ قَلْبِہِ لا تَأْکُلُہُ النَّارُ أَبَداً “.

(اُس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اگر اُس نے دل کی سچائی کے ساتھ یہ گواہی دی ہے تو جہنم کی آگ کبھی اُسے نہیں کھائے گی۔(40)

مالک بن دُخشُم کا حال واضح نہیں تھا۔ یا تو اُن کے بارے میں تفصیلی معلومات نہیں تھی، یا اُن کا اُٹھنا بیٹھنا منافقوں کے ساتھ تھا۔ بالفرض اُن کے اندر منافقت رہی بھی ہو، تب بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محض شک وشبہ اور اندازے کی بنیاد پر اُنھیں منافق سمجھنے اور منافق جان کر برا بھلا کہنے سے منع فرمادیا۔

” اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس بات سے صحابہ بہت خوش ہوئے، اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ اتنی خوشی اُنھیں پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی “۔

---

(40) مسند الامام احمد: 664 / 6 (حدیث: 16931)

بخاری: کتاب الصلاۃ باب الْمَسَاجِدِ فِی الْبُیُوتِ (حدیث: 425)

مسلم: کتاب الإیمان / باب الدلیل علی انہ من مات علی التوحید (حدیث: 54)

صحابہ کے اتنا زیادہ خوش ہونے کی وجہ کیا تھی؟ وجہ یہی تھی کہ پیغمبر کی صحبت میں رہ کر اُن کا ذہن اتنا سادہ اور مزاج اتنا سنجیدہ ہو چکا تھا کہ وہ کسی معاملے کو منفی پہلو سے لینا نہیں چاہتے تھے۔ ''لاَ إِلٰـہَ إِلاَّ اللّٰـہُ '' پڑھنے والے کی منافقت کا معاملہ ایک منفی معاملہ تھا۔ جیسے ہی اُس کے اندر مثبت پہلو نکلا، اُن کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رَہا۔ کسی کے جہنمی ہونے سے اُنھیں تکلیف ہوتی تھی۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ ہر کوئی جنتی ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے جنتی ہونے کا جو معیار اُنھیں سمجھایا تھا، اُس میں اتنی زیادہ وسعت اور گنجائش تھی کہ مسلمان ہونا بہت آسان ہو گیا تھا۔ صحابہ اِس معیار کو دیکھ کر اپنے مثبت ذہن کی وجہ سے بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہے تھے۔

ایمان کا یہ معاملہ اتنا آسان معاملہ تھا کہ بعض صحابہ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات کہی ہوگی۔ ایک کم عمر صحابی رسول محمود بن رَبیع نے عِتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تھی۔ جب اُنھوں نے اِس حدیث کو کچھ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو اُس وقت وہاں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اُنھوں نے اِس حدیث کو سن کر کہا:

''میں نہیں سمجھتا کہ اللہ کے رسول نے وہ بات کہی ہوگی جو تم نے بیان کی''۔

محمود بن رَبیع کہتے ہیں کہ میں نے طے کر لیا کہ ایک بار پھر میں عِتبان بن مالک سے اِس حدیث کے بارے میں پوچھوں گا، چنانچہ اُنھوں نے جا کر پوچھا تو عِتبان بن مالک نے پھر اُسی طرح حدیث سنائی جس طرح پہلی مرتبہ اُنھیں سنائی تھی۔ (41)

حضرت انس بن مالک نے جب پہلی بار اِس حدیث کو محمود بن رَبیع سے سنا تو اُن کا تأثر یہ تھا:

''فَأَعْجَبَنِی هَذَا الْحَدِيثُ فَقُلْتُ لابْنِی اكْتُبْهُ فَكَتَبَه''.

(کہ مجھے اِس حدیث نے تعجب میں ڈال دیا، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اِس

---

(41) مسند الامام احمد: 663/6 (حدیث: 16929)

حدیث کو لکھ لو تو اُس نے لکھ لیا۔)(42)

ایمان کا معاملہ اِس قدر آسان ہے! یہی سوچ کر حضرت انس کو تعجب ہو رہا تھا۔ چونکہ وہ سادہ دِل انسان تھے، اِس لئے اُنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کو مان لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔ اُنھیں یہ بات اتنی اہم اور قیمتی معلوم ہوئی کہ اُسے نوٹ کروالیا۔

کسی کی منافقت کو نہ جاننا، حرج کی بات نہیں، ہاں بغیر جانے کسی کو منافق کہنا اور سمجھنا یقیناً ایک خطرناک بات ہوگی۔ بہت کم لوگ اِس نزاکت کا خیال رکھتے ہیں اور وہ کسی کو بھی دَھڑلے سے کافر اور گمراہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ منفی ذہن رکھنے والوں کی عادت ہے۔ وہ اُس سادگی اور سنجیدگی سے محروم ہوتے ہیں جو صحابہ کی شان تھی۔

دوسری مثال

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لَے پالک کے صاحبزادے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ پر روانہ کیا۔ کافروں کو پتہ چلا کہ ہم آرہے ہیں تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم نے وہاں ایک آدمی کو پایا۔ جب اُسے گھیرے میں لیا تو اُس نے کہا: " لاَ إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ "، لیکن ہم نے اُسے مار ڈالا۔ اِس واقعہ کی وجہ سے میرے دل میں ایک بے چینی سی پیدا ہوئی، چنانچہ میں نے اُس واقعہ کا ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: قیامت کے دن تمھیں " لاَ إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ "کی پکڑ سے کون بچائے گا؟!

میں نے کہا: یارسول اللہ! اُس نے تو یہ کلمہ ہتھیار اور قتل کے ڈر سے پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا: کیوں نہیں تم نے اُس کا دل چیر لیا تا کہ جان لیتے کہ اُس نے ڈر سے کہا تھا یا نہیں۔ قیامت کے دن تمھیں " لاَ إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ "کی پکڑ سے کون بچائے گا؟!

آپ برابر یہی بات دُہراتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ

---

(42) مسلم: کتاب الإیمان/ باب الدلیل علی انہُ من مات علی التوحید (حدیث: 54)

کاش آج سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔(43)

اِس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جب تک کسی کے کفر پر یقین نہ ہو جائے، اُس وقت تک اُسے نہ کافر سمجھا جائے گا اور نہ کافروں والا معاملہ اُس کے ساتھ کیا جائے گا۔ جو" لاَ إِلٰـهَ إِلا اللَّهُ " پڑھنے والا ہو، اُسے محض شک وشبہ کی بنیاد پر کافر سمجھ لینا خطرناک غلطی ہے۔یہی غلطی حضرت اُسامہ نے کی تھی، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ناراض ہورہے تھے۔

خطرناک غلطی

کوئی، ظالم کافر سے بچنے کے لئے بھی" لاَ إِلٰـهَ إِلا الـلَّـهُ " پڑھے تو اُس کی کلمہ پڑھنے کا اعتبار کیا جائے گا اور اُس کا خون حلال نہیں ہوگا۔جیسا کہ حضرت مقداد بن اَسود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اُنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یارسول اللہ! اِس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر کسی کافر سے میری مدبھیڑ ہو تو وہ میرا قتل کرنے کی غرض سے مجھ پر تلوار چلائے تو میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے، پھر وہ ایک درخت کی آڑ میں مجھ سے چھپ جائے، پھر سامنے آکر کہے کہ میں اللہ کے لئے مسلمان ہوا تو اے اللہ کے رسول! کیا اِس بولی کے بعد میں اُسے قتل کروں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اُسے قتل مت کرنا۔

میں نے کہا: یارسول اللہ! اُس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، پھر ہاتھ کاٹنے کے بعد اُس نے وہ بات کہی ہے تو کیا میں اُسے قتل کروں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لاَ تَـقْتُـلْـهُ فَـإِنْ قَتَـلْتَـهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ".

---

(43) مسندالامام احمد: 65/9 (حدیث:22429)

مسلم: کتاب الإیمان/ باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال لاإلٰہ إلاّ اللّٰہ. (حدیث:158)

ابوداؤد: کتاب الجہاد/ باب علیٰ مایقاتل المشرکون. (حدیث:2643)

(اُسے قتل مت کرنا، کیونکہ اگر تم اُسے قتل کرو گے تو وہ تمھارے درجہ میں آجائے گا جس میں تم اُسے قتل کرنے سے پہلے تھے اور بلاشبہ تم اُس کے درجہ میں چلے جاؤ گے جس میں وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔ (یعنی وہ جنتی ثابت ہوگا اور تم جہنمی ہو جاؤ گے۔) (44)

کلمہ پڑھنے والے کو اگر کوئی کافر سمجھ کر قتل کرے گا تو قتل کرنے والا جہنمی کافر ہو گا۔ اگرچہ یہ اندازہ درست ہو کہ اُس نے اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ کا استعمال کیا ہے، پھر بھی اُسے قتل مت کرو، ہوسکتا ہے کہ جان بچ جانے کے بعد اُس کے دل میں کلمہ کی سچی عزت پیدا ہو جائے اور واقعی وہ مسلمان ہو جائے۔ نہ صرف یہ کہ کلمہ پڑھنے والے کو قتل کرنا بھیانک جرم ہے، بلکہ اُس کا کوئی عمل دیکھ کر اُسے کافر سمجھ بیٹھنا بھی ایک خطرناک غلطی ہے۔ اِسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَیُّمَا امْرِءٍ قَالَ لِأَخِیهِ: یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا".

(جو کوئی اپنے جیسے کسی مسلمان کو اے کافر کہے تو یہ بات اُن میں سے ایک پر ضرور پڑ جائے گی۔ (45)

رائی برابر ایمان

کوئی نام کا مسلمان ہو، اُس کا ایمان بس رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر بھی وہ مسلمان ہی ہے اور رائی برابر ایمان کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

(44) مسند الامام احمد: 672/9 (حدیث: 24546)
بخاری: کتاب الدیات/ باب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی (وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا) (حدیث: 6865)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب تَحْرِیمِ قَتْلِ الْکَافِرِ بَعْدَ أَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ. (حدیث: 155)
ابوداؤد: کتاب الجھاد/ باب عَلٰی مَا یُقَاتَلُ الْمُشْرِکُونَ. (حدیث: 2644)
(45) الموطا: کِتَابُ الْکَلَامِ/ بَابُ مَا یُکْرَهُ مِنَ الْکَلَامِ (حدیث: 1986)
مسند الامام احمد: 210/3 (حدیث: 5383)
مسلم: کتاب الإیمان/ بَابُ بَیَانِ حَالِ إِیمَانِ مَنْ قَالَ لِأَخِیهِ الْمُسْلِمِ: یَا کَافِرُ (حدیث: 111)

”لاَ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ كِبْرٍ وَلاَ یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِیمَانٍ “.

(ایسا کوئی شخص (پہلے مرحلہ میں) جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک دانہ برابر بھی گھمنڈ ہوگا اور وہ شخص (ہمیشہ کے لئے) جہنم میں نہیں رہے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر ایمان ہوگا۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ قَالَ یَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ كَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِیمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ .قَالَ فَیُخْرَجُونَ“.

(جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اُسے جہنم سے نکال لو تو اُن سب کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔)(46)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیثِ شفاعت بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فَأَقُولُ یَا رَبِّ أُمَّتِی أُمَّتِی .فَیَقُولُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِی قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِیمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ .فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ “.

(یعنی میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار، میری اُمت پر رحم کر، میری اُمت پر رحم کر! تو وہ کہے گا کہ جاؤ جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کم، اُس کم سے کم، اُس سے بھی کم

---

(46) مسند الامام احمد: 3/590 (حدیث:3990)
مسند ابی یعلیٰ: 5/46 (حدیث:5044)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب تَحْرِیمِ الْكِبْرِ وَبَیَانِهِ. (حدیث:149)
مسند الامام احمد: 5/155 (حدیث:11847)
بخاری: کتاب الإیمان/ باب تَفَاضُلِ أَہْلِ الإِیمَانِ فِی الأَعْمَالِ (حدیث:22)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب إِثْبَاتِ الشَّفَاعَةِ وَإِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِینَ مِنَ النَّارِ (حدیث:304)

ایمان ہو، اُسے جہنم سے نکال لو۔ تو میں جا کر اُسے جہنم سے نکال لاؤں گا۔)(47)

اِن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی ایمان کی بالکل کمزور حالت میں بھی مومن رہتا ہے۔ ایسے آدمی کو بھی کافر کہنا اور سمجھنا خود اپنے لئے کفر کا خطرہ مول لینا ہے۔

رائی کے دانہ کے برابر ایمان کیا ہو سکتا ہے؟

اِس کی ایک مثال آج کے وہ نام نہاد مسلمان ہو سکتے ہیں، جن کو دین اور اسلام سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ جو کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے اور اُن کا نام 'عبداللہ' اور 'عبدالرحمٰن' ہو گیا۔ وہ کافروں اور مشرکوں کی سوسائٹی میں رہتے ہیں اور اُنہی کے کلچر میں رنگے ہوتے ہیں۔ زندگی بھر مسجد کا منہ نہیں دیکھا، نہ کبھی ایک سجدہ ادا کرنے کی توفیق ہوئی۔ نہ یہی جانا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے؟ لیکن اِسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ اُنھوں نے کبھی بھی پوجا پاٹ نہیں کی اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار کیا اور نہ ہی اُن کی شان میں کوئی بے ادبی کی۔ ایسے لوگ رائی کے دانہ کے برابر ایمان رکھنے والوں کی ایک مثال ہیں۔

اب تک کی ساری گفتگو پڑھ لینے کے بعد اِس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ دین میں جس طرح داخل ہونا بے حد آسان معاملہ ہے، اُسی طرح دین میں باقی رہنے کا معاملہ اور ایمان کے ساتھ جینے کا معاملہ، انتہائی حد تک رعایتی معاملہ ہے۔

دین کی بنیادی باتیں

جس طرح دین میں داخل ہونے اور دین میں باقی رہنے کی حالت میں انتہائی درجہ کی سہولت رکھی گئی ہے، اُسی طرح دین کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور سچا مسلمان بننے کا معاملہ بھی آسان اور سادہ معاملہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی کچھ بنیادی باتیں بتادی ہیں۔ اگر ایک آدمی اُن باتوں پر اچھی طرح عمل کرتا رہے تو اُس کے ''سچا مسلمان'' ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اِس موضوع پر بھی وضاحت کے ساتھ گفتگو کرنا مناسب ہوگا۔

---

(47) بخاری: کتاب التوحید/ باب کلام الرب عزوجل یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ (حدیث:7510)
مسلم: کتاب الاِیمان/ باب اُدۡنیٰ اَہۡلِ الۡجَنَّۃِ مَنۡزِلَۃً فِیۡہَا (حدیث:326)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ".

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا۔)(48)

اسلام ایک عمارت کی طرح ہے اور یہ پانچ چیزیں ستون کی طرح۔ جس کے پاس یہ پانچ ستون ہیں، اُس کے اسلام کی عمارت پوری طرح محفوظ اور مضبوط ہے۔ جو مسلمان اِن پانچ چیزوں کا پوری طرح پابند ہے اور اِن کے خلاف وہ کوئی کام نہیں کرتا تو وہ بہرحال سچا مسلمان ہے۔ اُس کے مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔

جہاد کی حیثیت

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ 'جہاد' بھی تو اسلام کی بنیادی چیز ہے تو پھر اُسے پانچ چیزوں میں کیوں نہیں شامل کیا گیا؟

جواب: اصل میں جہاد کا معاملہ ایک وقتی معاملہ ہے، یہ ہنگامی طور پر فرض ہوتا ہے اور مشکل ہی سے اِس کی نوبت آتی ہے۔ نسل در نسل اَربوں کھربوں مسلمان بغیر جہاد کے ہی اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لیکن جن پانچ چیزوں کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے، وہ دائمی معاملہ ہے اور مستقل طور پر فرض ہوتا ہے اور عام طور پر دنیا کے مسلمان

---

(48) مسند الامام احمد: 403 / 3 (حدیث: 6158)
بخاری: کتاب الإیمان / باب دُعَاؤُکُم إِیمَانُکُم. (حدیث: 8)
مسلم: کتاب الإیمان / باب بیان ارکان الاسلام (حدیث: 21)
ترمذی: کتاب الإیمان / باب مَاجَاءَ بُنِیَ الإِسْلَامُ عَلَی خَمْسٍ (حدیث: 2609)
نسائی: کتاب الإیمان وشرائعہ / باب عَلَی کَم بُنِیَ الإِسْلَامُ (حدیث: 8)

کرتے رہتے ہیں، مثلاً کوئی سال زکوٰۃ اور حج سے خالی نہیں جاتا، لیکن جہاد کی یہ پوزیشن نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی حکمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف پانچ چیزوں کو ایک مسلمان کے لئے بنیادی حیثیت دی۔ بعض صحابہ نے بھی اِس حکمت کو محسوس کیا اور اُنھوں نے پوچھنے والے کو ایسا ہی جواب دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے شاگرد حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی ابن عمر کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ! کیا معاملہ ہے کہ آپ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ کرتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کو چھوڑے ہوئے ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے سلسلے میں کتنی رغبت دلائی ہے؟

آپ نے جواب دیا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا اور حج کرنا۔ (49)

امام احمد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک آدمی نے اُن سے پوچھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا:

"اَلْجِهَادُ حَسَنٌ هٰكَذَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم".

جہاد بھی ٹھیک ہے، لیکن ہم سے رسول اللہ ﷺ نے اتنا ہی بیان کیا ہے۔ (50)

امام احمد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اَبوسُوَید عَبدِی کہتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر نے ہم لوگوں سے یہ حدیث بیان کی تو میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن ! جہاد کے سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا:

"مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ".

(جو جہاد کرے گا تو اپنی ذات کے لئے جہاد کرے گا۔) (51)

---

(49) بخاری: کتاب التفسیر/ باب قَوْلِهِ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (حدیث:4650)

(50) مسند الامام احمد: 92/3 (حدیث:4902)

(51) مسند الامام احمد 317/3 (حدیث:5805)

حضرت عبداللہ بن عمر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر چہ جہاد کا اپنا ایک مقام ہے، پھر بھی اُسے اسلام کی بنیادی حیثیت حاصل نہیں۔ جو پانچ چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے گا، اُسے بنیادی طور پر مسلمان مانا جائیگا۔ ابن عمر نے اُس میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرنا بالکل مناسب نہیں سمجھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کے خلاف ہو۔

ایمان اور اسلام

یہاں بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں، پانچ چیزوں کو ''اسلام کی بنیاد'' قرار دیا گیا ہے، تو پھر ایمان کی بنیاد کتنی چیزوں پر ہے؟ ایمان اور اسلام میں تو بڑا فرق ہے؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں، جن پانچ چیزوں کو ''اسلام کی بنیاد'' قرار دیا گیا ہے، وہاں اسلام سے مراد دینِ اسلام ہے اور دین میں ایمان اور اسلام دونوں داخل ہیں۔ جہاں ایمان اور اسلام کو ایک دوسرے سے الگ کرکے بیان کیا جاتا ہے، وہاں ایمان کا مطلب ہوتا ہے: عقیدہ اور نظریہ اور اسلام کا مطلب: عمل اور کردار۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث میں اسلام کی جو پہلی بنیاد ہے، وہ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ کتنی چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اِس کی وضاحت اُس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جسے ''حدیثِ جبریل'' کہتے ہیں، جو اِس طرح سے ہے:-

''حضرت عُمر ابن خطّاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے بہت سفید اور بال بہت زیادہ کالے تھے، نہ اُس پر سفر کی گرد نظر آ رہی تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا۔ وہ آکر آپ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا: اے محمد! آپ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: اسلام یہ ہے کہ تم

گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور حیثیت ہو تو حج کرو۔

یہ جواب سن کر اُس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اُس پر بڑا تعجب ہوا کہ سوال بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ نے سچ فرمایا۔

پھر اُس نے دوسرا سوال کیا کہ آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے۔

آپ نے جواب دیا:

"الإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ".

(ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی تمام کتابوں پر، اُس کے سارے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔)

اُس نے پھر کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔

پھر جب وہ چلا گیا تو کچھ دیر کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے عمر تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟

حضرت عمر نے کہا: اللہ اور اُس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: وہ جبریل تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے"۔(52)

---

(52) مسند الامام احمد: 173/1 (حدیث: 374)

بخاری: کتاب التفسیر/ باب قَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (4777)

مسلم: کتاب الإِيمَانِ/ باب الامر بالإِيمَانِ باللهِ تعالیٰ (حدیث: 23)

ابوداؤد: کتاب السنۃ/ باب فِي الْقَدَرِ (حدیث: 4695)

ترمذی: کتاب الایمان/ باب مَاجَاءَ فِي وَصْفِ جِبْرِيلَ لِلنَّبِيِّ (حدیث: 2610)

نسائی: کتاب الإِيمَانِ وشرائعہ/ باب نعت الإِيمَانِ (حدیث: 4/97)

ابن ماجہ: المقدمۃ/ باب فِي الإِيمَانِ (حدیث: 63)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور اسلام کے معاملے کو کس قدر آسان بنا کر پیش کیا ہے۔ مختصر سا عقیدہ ہے جسے تسلیم کرنا ہے اور تھوڑا سا عمل ہے جسے انجام دینا ہے۔ نبی کے زمانے میں اور نبی کے بعد، صحابہ کے زمانے میں اسلام کے بے حد مقبول ہونے اور ہر طرف تیزی سے اُس کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ نبی اور نبی کے بعد صحابہ نے اسلامی عقیدے اور اسلامی عمل کو بہت آسان، مختصر اور سادہ انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ دھیرے دھیرے اسلام کے مبلّغین کا یہ معیار ختم ہوتا گیا تو اسلام کی مقبولیت کا گراف بھی نیچے آتا گیا۔ علماء نے اسلام کو بحث ومناظرہ کا موضوع بنا دیا اور اُسے مذہب سے زیادہ فلسفہ کا رنگ دے دیا تو لوگ اسلام سے قریب ہونے کے بجائے، اسلام سے دور ہونے لگے۔ یہ سب دین کو پیچیدہ اور مشکل بنانے کا نتیجہ ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان ہونا بھی چاہتا ہے تو اُس کے سامنے سب بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے کس گروہ میں داخل ہو اور اسلام کی اتنی ساری قسموں میں سے کون سی قسم کو اختیار کرے اور وہ کس قسم کا مسلمان بنے؟! کیونکہ آج کسی کے پاس وہ مختصر، سادہ اور آسان اسلام نہیں ہے، جس کی دعوت اللہ کے رسول نے دی تھی اور جس کی تبلیغ صحابہ نے اپنے دور میں کی تھی۔

جب جب دین کو بحث کا موضوع بنایا گیا اور اُس کی آسانی اور سادگی کو ختم کر کے اُس پر عقل اور فلسفہ کا رنگ چڑھایا گیا، اُمت گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ آپ تقسیمِ اُمت کی تاریخ پڑھ جایئے تو آپ اِسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ امت کی ہر تقسیم کسی نہ کسی دینی بحث کی وجہ سے ہوئی ہے اور یہ بحث، ہمیشہ دین کی آسانی اور اُس کی سادگی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے کھڑی ہوتی ہے۔ میں یہاں اِس سلسلے کی ایک ابتدائی مثال پیش کروں گا جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ اُمت کیونکر گروہوں میں تقسیم ہوتی گئی۔

<<<>>>

تقدیر پر بحث

تقسیم اُمت کا سبب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ’’اِس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اچھی بری تقدیر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے‘‘۔

صحابہ کے لئے تقدیر کا لفظ ایک معلوم لفظ تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی حیثیت سے اُسے واضح کر دیا تھا۔ اِس لئے اُنھوں نے تقدیر کو اُسی طرح مانا جس طرح کہ ماننے کا حق تھا۔ قرآن اور حدیث کا سچائی کے ساتھ مطالعہ کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز پہلے ہی سے طے ہے، پھر ہر چیز اُسی کے مطابق ہوتی رہتی ہے‘‘۔ اِسی کا نام تقدیر (قدر) ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا پہلے ہی سے علم ہوتا ہے۔

قرآن میں تقدیر کا عقیدہ

تقدیر کا یہ مختصر سا سیدھا سادہ مضمون قرآن کی درج ذیل آیتوں سے ظاہر ہے:

﴿وَإِنْ مِنْ شَیْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ﴾ (الحجر:21)

(اور کوئی چیز نہیں ہے مگر ہمارے پاس اُس کے خزانے ہیں اور ہم اُسے نازل نہیں کرتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔)

﴿إِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر:49)

(بے شک ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا۔)

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الأنعام:59)

(اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ اُنہیں صرف وہی جانتا ہے اور وہ جانتا ہے

جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور ایک پتہ بھی گرتا ہے تو وہ اُسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی خشک ہے اور نہ کوئی تر ہے، مگر سب ایک کھلی کتاب میں ہے۔)

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (یونس:61)

(اور تیرے رب سے پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز اور نہ آسمان اور نہ اُس سے بھی کوئی چھوٹی اور نہ بڑی چیز، مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔)

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (الحدید:22)

(کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمھاری جانوں میں، مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے، اِس سے پہلے کہ ہم اُسے پیدا کریں۔)

قرآن کی اِن آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ہر چیز پہلے سے طے ہے۔ اِسی کو قرآن نے کبھی یہ کہا کہ ہر چیز ایک اندازے (قدر) سے ہے اور کبھی یہ کہا کہ وہ ایک 'کتابِ مبین' میں ہے۔ ہر وہ چیز جو پہلے سے طے ہے، وہ اُس کے علم میں ہے اور اُسی کے مطابق ہر چیز ہوتی رہتی ہے۔

حدیث میں تقدیر کا عقیدہ

قرآن نے تقدیر کے مسئلے میں جو کچھ بیان کیا ہے، ٹھیک وہی چیز حدیثِ رسول میں بھی موجود ہے۔ مثلاً اِن حدیثوں کو بغور پڑھیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ أَوِ الْكَيْسِ وَالْعَجْزِ".

(یعنی ہر چیز ایک اندازے سے ہے، یہاں تک کہ بے بسی اور ہوشیاری

بھی۔)(53)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ".

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار پہلے ہی تمام مخلوق کی تقدیروں کو لکھ لیا، جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔)(54)

عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

" إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْقَلَمُ ثُمَّ قَالَ اكْتُبْ فَجَرَى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ".

(یعنی بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا فرمایا، وہ قلم ہے، پھر اُسے کہا: لکھ! تو اُسی وقت وہ قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھنے کے لئے چل پڑا۔)(55)

تقدیر کے مسئلے کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی انداز میں پیش کیا ہے، جو قرآن کہنا چاہتا ہے۔ ہر چیز ہونے سے پہلے لکھی ہوئی طے ہے اور وہ اللہ کے علم میں ہے۔

---

(53) الموَطا: کتاب القدر/ باب النَّھیِ عَنِ الْقَوْلِ بِالْقَدَرِ (حدیث:1774)
مسند الامام احمد: 372/3 (حدیث:6033)
مسلم: کتاب القدر/ باب کُلُّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ (حدیث:2655)

(54) ترمذی: ابواب القدر/ باب مَاجَاءَ فِی حِجَاجِ آدَمَ وَمُوسَیٰ (حدیث:2134)

(55) مسند الامام احمد: 328/9 (حدیث:23346)
ابوداؤد: کتاب السنۃ/ باب فِی الْقَدَرِ (حدیث:4700)
ترمذی: ابواب القدر/ (حدیث:2155)

صحابہ کا ایمان

صحابہ، تقدیر کو اپنے ایمان کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے تقدیر کو ٹھیک اُسی طرح قبول کیا، جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں پیش کیا تھا۔ نہ اُس میں اُنھوں نے کوئی کمی بیشی کی اور نہ اُس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اُنھوں نے تقدیر کے عقیدے کو اجمالی طور پر مانا اور اُسی کو اپنے ایمان کے لئے کافی جانا۔

طاؤس یمانی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے ساتھیوں کو پایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ: "ہر چیز ایک اندازے سے (طے) ہے۔(56)

عبادہ بن صامت کے صاحبزادے ولید کہتے ہیں کہ جب میرے والد موت کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے تو میں اُن کے پاس پہنچا اور کہا: اے والد گرامی! آپ مجھے کچھ وصیت کریں اور میرے لئے کوشش کریں۔

اُنھوں نے کہا: مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔

اُنھوں نے کہا: اے میرے بیٹے! بیشک تو اُس وقت تک ایمان کا مزا نہ پائے گا اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت کا حق ادا نہیں کرے گا جب تک کہ تو اچھی بری تقدیر پر ایمان نہ لائے گا۔

میں نے کہا: اے والدِ گرامی! میرے لئے کیسے ممکن ہوگا کہ میں یہ جان سکوں کہ اچھی تقدیر کیا ہے اور بری تقدیر کیا ہے؟

اُنھوں نے کہا:

"تَعۡلَمُ أَنَّ مَا أَخۡطَأَكَ لَمۡ يَكُنۡ لِيُصِيبَكَ وَمَا أَصَابَكَ لَمۡ يَكُن لِيُخۡطِئَكَ".

(تم یہ جانو کہ بے شک جو چیز تمھارے ہاتھ نہ آئے تو وہ تم کو ملنے والی نہ تھی اور جو

---

(56) الموطا: کتاب القدر/ باب النَّهۡيِ عَنِ الۡقَوۡلِ بِالۡقَدَرِ (حدیث:1774)
مسند الامام احمد: 372/3 (حدیث:6033)
مسلم: کتاب القدر/ باب كُلُّ شَيۡءٍ بِقَدَرٍ (حدیث:2655)

تمھیں مل جائے تو سمجھو وہ تمھارے ہاتھ سے نکلنے والی نہ تھی ۔)

پھر اُنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کی جو اوپر گذر چکی۔

پھر اُنھوں نے کہا: اے میرے بیٹے! اگر تو اِس (ایمان) سے ہٹ کر مرے گا تو جہنم میں داخل ہوگا۔(57)

تقدیر کا انکار

قرآن اور حدیث کے اِسی عقیدے پر صحابہ کا ایمان تھا،لیکن صحابہ کے آخری زمانے میں،تابعین کے دور میں ایک شخص اُٹھتا ہے اور وہ دین کے اِس بنیادی عقیدے کا انکار کرنے لگتا ہے۔اُس شخص کا نام مَعبَد جُہَنی (موت: 699ء) تھا اور اُس نے بصرہ کی سرزمین پر سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا۔اُس کا کہنا تھا:

" لاَ قَدَرَ وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ ".

(یعنی تقدیر کوئی چیز نہیں۔جب کوئی چیز ہوتی ہے، تب اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم ہوتا ہے، پہلے سے کوئی چیز طے نہیں ہے۔)

یہ ایمان کو ہِلا دینے والا واقعہ تھا۔صحابہ اور تابعین نے شدت کے ساتھ اُس کا انکار کیا اور اُس سے اپنی بیزاری اور ناگواری دِکھلائی۔

یحییٰ بن یَعمر (وفات:746ء) بصرہ کے رہنے والے ایک تابعی محدث ہیں جب مَعبَد جُہَنی نے بصرہ میں "تقدیر" کے خلاف یہ آواز اُٹھائی تو وہ اور اُن کے ایک ساتھی حُمَید بُن عَبدِ الرَّحمٰنِ حِمیَری حج یا عمرہ کے ارادے سے جب مکہ روانہ ہونے لگے تو اُنھوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم اِن لوگوں کے بارے میں پوچھیں گے جو تقدیر کے سلسلے میں نئی باتیں کررہے ہیں۔اتفاق سے اُن کی ملاقات حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو مسجد میں داخل ہورہے تھے، چنانچہ یحییٰ بن یَعمر نے اُن سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! ہمارے یہاں

---

(57) مسند الامام احمد: 328/9 (حدیث: 23346)

کچھ لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن بھی پڑھتے ہیں اور تحقیقی مطالعہ بھی کرتے ہیں اور اُن کی ایک شان ہے، مگر وہ لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے سے کوئی چیز (تقدیر) طے نہیں، اللہ کو ہر چیز کا علم اُس کے ہونے کے بعد ہوتا ہے؟

یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"فَإِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي"

(جب تمھاری ملاقات اُن لوگوں سے ہو تو اُنھیں بتا دینا کہ بے شک میں اُن سے الگ ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں۔)

پھر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جو بات قسم کھا کر کہتے تھے، وہ یہ تھی:

"لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ".

(بلاشبہ اُن میں کا کوئی اُحُد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے قبول نہیں کرے گا، جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔)(58)

صحابہ اور تابعین نے تقدیر کے منکروں کے ساتھ بیزاری کا رویّہ اختیار کیا۔ اُنھوں نے تقدیر کے مسئلے کو بحث کا موضوع نہیں بنایا۔ اُن کے پاس قرآن اور حدیث کا سیدھا سادہ عقیدہ تھا، وہ اُس سے زیادہ کچھ کہنے اور سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقدیر کے منکروں کا یہ ابتدائی گروہ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی مر گیا۔ اُسے بڑھنے اور پھیلنے کا کچھ موقع نہیں ملا۔ مَعبَد جُہَنی کے ابتدائی چند ساتھیوں کے بعد ایک بھی تقدیر کا منکر اِس دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اِس طرح یہ اُمت فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچ گئی۔

نیا موڑ

لیکن تقدیر کے اِس عقیدے نے ایک نیا موڑ لیا۔ کچھ لوگوں نے تقدیر کے مسئلے میں

---

(58) مسلم: کتاب الِإیمَانِ/ باب مَعْرِفَةِ الِإیمَانِ وَالِإسْلَامِ وَالْقَدَرِ، (حدیث: 8)
ابوداوٗد: کتاب السنة باب فِی الْقَدَرِ، (حدیث: 4695)
ترمذی: کتاب الِإیمَانِ/ باب مَاجَاءَ فِی وَصْفِ جِبْرِیلَ لِلنَّبِیِّ، (حدیث: 2610)

میں نئے سرے سے غور کرنا شروع کیا۔ اُنھوں نے یہ انکار تو نہیں کیا کہ ہر چیز پہلے سے طے ہے اور اللہ کو اُس کا علم رہتا ہے۔ اُنھوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا اور اُسی سے ملتی جلتی ایک دوسری بات کہی کہ:

"بندہ جو برائی (شر) کرتا ہے وہ اللہ کے ارادے کے بغیر کرتا ہے، کیونکہ اللہ صرف خیر (بھلائی) کا ارادہ کرتا ہے، نہ کہ شر کا"۔

اِس نظریہ کے سامنے آتے ہی یہ سوال اٹھنے لگا کہ بندے کا 'شر' آخر کہاں سے آتا ہے؟ شر سے جب اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق نہیں تو گویا بندہ ہی بنیادی طور پر شَر کا ارادہ بھی کرتا ہے اور اُس کو پیدا بھی کرتا ہے۔ اِس سے ایک بدترین نتیجہ نکلا کہ خیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کا خالق بندہ خود ہے۔ گویا دو خالق ہو گئے: ایک خالق، اللہ تعالیٰ اور دوسرا خالق، بندہ۔ یہ نظریہ مجوسیوں کے عقیدے سے جاملا۔ مجوسیوں کے عقیدے کے مطابق خالق دو ہیں: ایک کا نام یزداں ہے جو خیر کا خالق ہے اور دوسرا اَہرمن ہے جو شر کا خالق ہے۔ یہ انتہا درجے کی خرابی، انکارِ تقدیر کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ حدیث میں ایک روایت آئی ہے جو اِس طرح سے ہے: "اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوس هَذِهِ الْأُمَّة".

(یعنی تقدیر کا انکار کرنے والے اِس اُمت کے مجوس ہیں۔)(59)

تابعین نے دیکھا کہ یہ نظریہ مجوسیوں کے عقیدے کی ترجمانی ہے، لہٰذا اُنھوں نے اِس نظریہ کے ساتھ بھی بیزاری اور ناگواری کا سلوک کیا اور اُسے بحث کا موضوع بننے نہیں دیا۔ جیسا کہ امام مالک، اپنے چچا ابوسُہیل کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ: "وہ عمر بن عبدالعزیز (وفات: 720ء) کے ساتھ جارہے تھے تو عمر بن عبدالعزیز نے اُن سے پوچھا کہ اِن قدریوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ: میری رائے یہ ہے کہ اُن سے توبہ لی جائے۔ اگر توبہ

---

(59) ابوداوٗد: کتاب السنۃ باب فی الْقَدَرِ، (حدیث: 286)
المستدرک: 1/149 (حدیث: 286)، المعجم الاوسط: 3/65 (حدیث: 2494)

کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ اُن پر تلوار چلا دو۔

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہی میرے بھی رائے ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ یہی میری بھی رائے ہے۔(60)

تقسیم اُمت کا مرحلہ

چنانچہ اُمت کے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں نے اُن ''قدریوں'' کے خلاف اپنی سخت رائے پیش کر کے اُمت کو گمراہی کی طرف جانے سے روکا۔ اِس طرح انکارِ تقدیر کے نظریہ کو شروع میں پھیلنے کا موقع نہیں مل سکا اور قریب تھا کہ یہ نظریہ ہمیشہ کے لئے مرجاتا، لیکن حسن بصری رحمہ اللہ (وفات: 728ء) کے زمانے میں اُنہی کے ایک شاگرد واصل بن عطاء (موت: 748ء) نے اللہ تعالیٰ کی توحید وصفات کو فکری بحث کا موضوع بنایا اور اُس نے اپنی فکر کو علمی اور استدلالی انداز میں بیان کرنا شروع کیا۔ جب پہلی مرتبہ اُس نے حسن بصری کی درسگاہ میں "مَنزِلَةُ بَینَ مَنزِلَتَین "(61) کا نظریہ پیش کیا تو اُنھوں نے اُس سے بحث کرنے کے بجائے کہا کہ:"اِعتَزِل عَنَّا "۔(یعنی تو ہماری درسگاہ سے الگ ہو جا۔) اِس طرح حسن بصری نے عقیدہ کو بحث کا موضوع نہیں بنایا۔

واصل بن عطاء کی فکر کو سب سے پہلے عمرو بن عُبید (موت: 761ء) نام کے ایک شخص نے قبول کیا اور اُس کا بھرپور ساتھ دیا۔ دھیرے دھیرے واصل بن عطا کی فکر، بحث کا موضوع بننے لگی۔ بہت سے لوگ اُس کی فکر سے متأثر ہونے لگے، یہاں تک کہ اُس نے ایک گروہ کی شکل اختیار کرلی۔ آخرکار یہ اُمت تقسیم ہو کر رہ گئی۔ واصل بن عطاء اور اُس کے ہم خیال لوگوں کو ''معتزلہ'' کا نام دیا گیا۔ یہ نام حسن بصری کی زبان سے نکلنے والے لفظ

---

(60) الموَطا: کتاب القدر/ باب النَّهِیِ عَنِ القَولِ بِالقَدَرِ (حدیث: 1776)

(61) یعنی خوارج نے کہا تھا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور تابعین کی جماعت کا کہنا تھا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا، مومن ہی رہتا ہے، البتہ وہ فاسق کہلائے گا۔ واصل بن عطا نے اِن دونوں کے بیچ سے ایک راستہ نکالا کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا نہ کافر ہوتا ہے اور نہ مومن رہتا ہے بلکہ وہ دومنزلوں میں سے ایک الگ منزل میں ہوتا ہے جسے ''منزلة بین منزلتین'' کا نام دیا گیا۔

"اعتزل عنّا" کی معنویت کو ملحوظ رکھ کر دیا گیا تھا۔

معتزلہ نے تقدیر کے مسئلے کو بھی چھیڑا اور اُنھوں نے تقدیر کا انکار ایک نئے انداز سے کیا۔ اُنھوں نے واضح طور پر اپنا یہ عقیدہ پیش کیا کہ "اَلعِبَادُ خَالِقُ لِاَفعَالِھِم" (یعنی بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔) اِس طرح خدا کی خالقیت کے مقابلے میں بندے کو بھی خالق قرار دیا گیا، چنانچہ 'خالق' دو ہو گئے۔

ممانعت کے باوجود

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے دادا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، اُس وقت لوگ تقدیر کے سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے، یہ دیکھ کر آپ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے انار کے دانے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ آپ نے اُن لوگوں سے فرمایا:

"مَا لَکُمْ تَضْرِبُونَ کِتَابَ اللَّهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ بِهَذَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ".

(تمھیں کیا ہوا کہ اللہ کی کتاب کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ ٹکرار ہے ہو۔ اِسی حرکت کی وجہ سے اگلی اُمتیں ہلاک ہو گئیں۔)(62)

صحابہ، تقدیر کے مسئلے میں صرف گفتگو کر رہے تھے، اُن کی یہ گفتگو اختلافی بحث کی صورت میں نہیں تھی، پھر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے بہت زیادہ ناراض ہوئے، کیونکہ تقدیر پر گفتگو کرنے سے بحث کا دروازہ کھلتا ہے اور اُس کا نتیجہ کسی اختلافی فتنہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اِس کھلی ہوئی ممانعت کے باوجود لوگوں نے تقدیر کے مسئلے پر خوب بڑھ چڑھ کر بحث کی، بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی بحثیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ استدلالی طرزِ فکر نے پوری بحث کو فلسفہ بنا کر رکھ دیا، پھر وہ فلسفہ باقاعدہ "علمِ کلام" کی شکل اختیار کر گیا۔

---

(62) مسند الامام احمد: 3/578 (حدیث: 6828)
ترمذی: کتاب القَدَرِ/ باب مَاجَاءَ فِی التَّشدِیدِ فِی الخَوضِ فِی القَدَرِ (حدیث: 2123)
ابن ماجۃ: المقدمۃ/ باب فِی القَدَرِ (حدیث: 85)

اِس ''علم کلام'' نے عقیدے کے نام پر کئی گروہ پیدا کرڈالے۔

پھر یہ علم اپنے اصول وقواعد کی وجہ سے اتنا آگے بڑھا کہ جس طرح محدثین اور فقہا کی جماعت میں بہت سے ممتاز اور نامور لوگ پیدا ہوئے، اُسی طرح اِس ''علمِ کلام'' میں مہارت حاصل کرنے والے ''متکلمین'' کہلائے اور اُس میں بھی کچھ لوگوں نے بڑا نام پیدا کیا۔

پھر اِسی علم کلام کی بنیاد پر، صفاتِ باری تعالیٰ میں غور کرنے کی وجہ سے اُمت دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک کا نام ''ماتریدیہ'' تھا اور دوسرے کا ''اشعریہ''۔ پھر اخیر زمانے میں اِس علم کلام سے اتنی زیادہ دلچسپی بڑھی کہ مسلمانوں نے اُسے فن کی حیثیت سے اپنے تعلیمی نصاب میں داخل کرلیا۔ آج دنیا میں ایک بھی معتزلی زندہ نہیں، لیکن پوری گھن گرج کے ساتھ اُن کا رَد ہورہا ہے۔ بحث ومباحثہ کے شوق میں اب بھی لوگ ہوا میں مُکّا مارنے پر مجبور ہیں۔

حاصلِ گفتگو

تقدیر کا عقیدہ جب تک ایک رعایتی عقیدہ بنا رہا، تب تک اُمت میں اِس عقیدہ کی وجہ سے کوئی خطرناک تقسیم نہیں ہوئی، لیکن جب لوگ اُس کی تفصیل پر اُتر آئے اور اُسے بحث کا موضوع بنالیا، تب یہ اُمت تقسیم ہونا شروع ہوگئی۔ یوں ہی معتزلہ کے سارے نظریات بحث کا موضوع بنتے گئے، جماعت سے لوگ کٹتے گئے اور معتزلیوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک عباسی خلیفہ مامون رشید (وفات:833ء) بھی معتزلی ہوگیا۔ اِس طرح معتزلہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ یہاں اُسی رویّہ کی ضرورت تھی جو صحابہ اور تابعین نے اختیار کی تھی۔ یعنی بیزاری اور ناگواری دکھلاتے ہوئے، اُس کی تفصیل میں جانے اور بحث کرنے سے گُریز کرنا۔

بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے عقیدے کے معاملے میں 'یُسر' کو ملحوظ رکھا ہو اور اجمالی ایمان کو کافی سمجھا ہو۔ زیادہ تر لوگ بال کی کھال نکالنے لگے اور ہلاک ہوکر رہ

گئے۔جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تین تین مرتبہ یہ فرمایا:

" أَلاَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ ".

(یعنی جان لو کہ زیادہ گہرائی میں اُتر کر غور کرنے والے ہلاک ہوئے۔)(63)

میں نے یہاں صرف ''معتزلہ'' کی مثال کو کافی سمجھا ہے، کیونکہ بعد کے زمانے میں فکر ونظر کا جتنا بھی اختلاف ہوا، زیادہ تر اُس میں معتزلہ ہی کا رنگ نظر آتا ہے، بلکہ بہت سے معاملات میں اُنہی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

<<<>>>

---

(63)مسند الامام احمد:501/2(حدیث:3727)
مسلم: کتاب العلم/باب ہَلَکَ الْمُتَنَطِّعُونَ،(حدیث:2670)
ابوداؤد: کتاب السنۃ/باب فی لزُومِ السنّۃ،(حدیث:4608)

دوسرا حصہ

عمل کی آسانی

مختصر اسلام

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہونے کے بعد اُس کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہے تو یہ اُس کے لئے ایک آسان بات ہوگی۔ دین، کسی مسلمان پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتا، جس کو وہ اٹھا نہ سکے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾(البقرة:236)

(اللہ کسی جان پر اُس کی گنجائش سے بڑھ کر حکم نہیں ڈالتا۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریح کی ہے اور اعمال و احکام کی جو وضاحت کی ہے، اُس کے دو معیار ہیں: ایک مختصر، دوسرا مفصّل، پھر اُس میں یہ حکمت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ پہلے کون سا حکم ضروری ہے اور کون سا عمل کس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ کیا حالات ہیں اور حالات کے مطابق کس قسم کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ڈھیر سارے اعمال واحکام کا بوجھ کسی پر اکٹھا رکھ دیا ہو، یہاں تک کہ آپ نے اُمت کی آسانی کے لئے اسلامی اعمال کو چند بنیادی چیزوں میں سمیٹ کر پیش کیا۔ یہاں ہم کچھ مثالوں سے اِس بات کو واضح کریں گے۔

ایک اعرابی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرتا ہے: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اُسے انجام دوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔

آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کچھ شرک مت کرو، فرض نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ دو اور رمضان کا روزہ رکھو۔ اُس نے کہا:

" وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لاَ أَزِیدُ عَلَى هَذَا شَیْئاً أَبَداً وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُ ".

(اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میں اِس پر نہ کبھی کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اُس میں سے کچھ گھٹاؤں گا۔)

جب وہ چلا گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ یَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ إِلَى هَذَا ".

(جسے خوشی ہو کہ وہ کسی جنتی آدمی کو دیکھے تو وہ اِس آدمی کو دیکھے۔)(64)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ عبدالقَیس کا ایک وفد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم خاندانِ ربیعہ کی ایک شاخ ہیں، ہم جب آپ کے پاس آتے ہیں تو راستہ میں خاندانِ مضر کے کافروں کی بستی پڑتی ہے۔ اُن کے ڈر سے ہم صرف حرمت والے مہینے میں آپ کے پاس آسکتے ہیں، لھذا آپ ہمیں ایسے کام کا حکم دیجے کہ جب ہم اُس پر عمل کریں تو جنت میں داخل ہو جائیں اور یہاں سے جانے کے بعد اپنے قبیلہ والوں کو بھی اُس کا حکم دیں۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ اعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً فَهَذَا لَيْسَ مِنَ الأَرْبَعِ وَأَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَصُومُوا رَمَضَانَ وَأَعْطُوا مِنَ الْغَنَائِمِ الْخُمُسَ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنْ الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّت".

(میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کچھ شرک مت کرو (یہ چار چیزوں کے علاوہ ہے) نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کی راہ میں دو...... اور چار قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے تمھیں روکتا ہوں: خشک کدو کے برتن سے، کھجور کے اُس تنے سے جس کے بیچ کو کھوکھلا کر دیا جائے، خاص قسم کے سبز گھڑے سے اور تارکول سے لیپے ہوئے برتن سے"۔(65)

---

(64) مسند الامام احمد: 4/8741 (حدیث: 8781)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب بَیَانِ الإِیمَانِ الَّذِی یُدْخَلُ بِهِ الْجَنَّةُ (حدیث: 116)
بخاری: کتاب الزکاۃ/ باب وُجُوبِ الزَّکَاۃِ (حدیث: 1397)
(65) مسند احمد: 5/59 (حدیث: 11476)
بخاری: کتاب الزکاۃ/ باب وُجُوبِ الزَّکَاۃِ (حدیث: 1398)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب الأَمْرِ بِالإِیمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (حدیث: 124)

اِن دونوں روایتوں میں ''حج'' کا ذکر نہیں، کیونکہ یہ اُس زمانے کی بات ہے، جب حج فرض نہیں ہوا تھا۔ حج فرض ہونے کے بعد جب آپ سے کسی نے اسلام کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اُسے حج کرنے کا بھی حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں صحابہ کو دین سکھانے کی غرض سے آئے تھے اور آپ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے جواب دیا تھا:

'' شَهَادَةُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ وتُقِيمُ الصَّلاَةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ''۔

(اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور کر سکتے ہو تو حج کرو۔)(66)

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کا معاملہ ایک استثنائی معاملہ ہے۔ نہ تو ہر مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی بار بار اِس عمل کو دہرانا ضروری ہوتا ہے۔

توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ چاروں عمل دین کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

'' بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ''۔

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

---

(66) مسند الامام احمد: 1/174 (حدیث: 374)
بخاری: کتاب التفسیر/ باب قَوْلِهِ (إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ)) حدیث: (4777)
مسلم: کتاب الإیمان/ باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالْقَدَرِ) حدیث: (4777)
ابوداؤد: کتاب السنة/ باب فِي الْقَدَرِ (حدیث: 4697)
ترمذی: کتاب الإیمان/ باب مَاجَاءَ فِي وَصْفِ جِبْرِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ (حدیث: 2815)
نسائی: کتاب الإیمان وشرائعہ/ باب نَعْتِ الإِسْلاَمِ (حدیث: 4990)
ابن ماجہ: المقدمة/ باب فِي الإِيمَانِ (حدیث: 36)

اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا۔)(67)

یہ پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد میں شامل ہیں، جنھیں آپ پانچ ستون بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس نے یہ پانچ ستون کھڑے کر لئے، اب وہ باقی سارے اعمال کی عمارت اُس پر تعمیر کر سکتا ہے۔ اِن پانچ چیزوں کے بعد ہی واجبات اور حلال وحرام کی باری آتی ہے۔ فرائض و واجبات کو ادا کر لینے اور حرام سے بچ جانے کے بعد معاملہ بہت آسان ہو جاتا ہے، اُسے پھر کسی لمبے چوڑے عمل کی ضرورت نہیں۔ اتنا ہی اُسے جنت میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ اِس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

ایک صحابیِ رسول تھے جن کا نام نعمان بن قَوقَل تھا۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: اگر میں فرض نماز پڑھوں اور رمضان کا روزہ رکھوں اور حلال کو حلال سمجھوں اور حرام کو حرام اور اُس پر کچھ زیادہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں!

نعمان بن قَوقَل نے اِس جواب کو سن کر کہا: ”وَاللّٰهِ لاَ أَزِيدُ عَلَى ذَلِکَ شَيْئًا“.

(یعنی اللہ کی قسم میں اُس پر کچھ زیادہ نہ کروں گا۔)(68)

---

(67) مسند الامام احمد: 3/403 (حدیث: 6158)

بخاری: کتاب الإیمان/ باب دُعَاؤُکُم إِيمَانُکُم

مسلم: کتاب الإیمان/ باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ «بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ (حدیث: 121)

ترمذی: کتاب الإیمان/ باب مَا جَاءَ بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ (حدیث: 2813)

نسائی: کتاب الإیمان وشرائعہ/ باب عَلَى کَمْ بُنِيَ الإِسْلَامُ (حدیث: 5001)

(68) مسند الامام احمد: 6/80 (حدیث: 14768)

مسلم: کتاب الإیمان/ باب بَيَانِ الإِيمَانِ الَّذِي يُدْخَلُ بِهِ الْجَنَّةُ (حدیث: 118,117)

المستدرک: 4/14 (حدیث: 6575)

یہ حج وزکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ ہے، اِس لئے نعمان بن قوقل نے اپنے سوال میں اُن کا ذکر نہیں کیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واجبات، حقوق العباد اور حلال وحرام کو کبھی مجموعے کی صورت میں پیش نہیں کیا، بلکہ آپ نے ہمیشہ اُنھیں وقت اور حالات کے پیشِ نظر تھوڑا تھوڑا پیش کیا۔ یہ بھی اُمت کی آسانی کے لئے ہی تھا۔

حضرت ابوسعید خُدری کی جس حدیث میں وفدِ عبدالقیس کے آنے کا تذکرہ ہے، وہ اسلام کے ابتدائی دور کی بات نہیں، بلکہ یہ اُس زمانے کی بات ہے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے تشریف لا چکے تھے اور مکہ کے مشرکین سے مسلمانوں کی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ یہ احکام کے نزول کا زمانہ تھا۔ ایسے وقت میں بھی جب آپ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو آسان اور مختصر انداز میں اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اُس مختصر سے اسلام کو اپنانے والا جنت میں داخل ہوگا۔

اِس حدیث میں ایک چیز کا اضافہ ہے اور وہ ہے: ''مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خرچ کرنا''۔ یہ ایک وقتی اور عارضی معاملہ ہے، کیونکہ مالِ غنیمت کا تعلق جہاد سے ہے اور جہاد کا معاملہ کوئی مستقل اور دائمی معاملہ نہیں، اُس کا اتفاق تو کبھی کبھی، مسلمانوں کے کسی گروہ کے لئے پیش آتا تھا۔ سارے مسلمانوں کا اِس سے واسطہ نہیں پڑتا تھا، پھر یہ بھی نہیں کہ ہر جہاد میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت ہاتھ آئے۔ وفدِ عبدالقیس کو یہ حکم اِس لئے تھا کہ وہ جس زمانے میں تھے وہ جہاد کا زمانہ تھا اور اُن کے لئے مالِ غنیمت کا پورا پورا اِمکان تھا، لھٰذا عمل کے لحاظ سے دائمی اور مستقل جو چیزیں سامنے آتی ہیں، وہ وہی تین چیزیں ہیں جن کا ذکر اِس سے پہلے والی حدیث میں گذر چکا۔

اِن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت میں لے جانے والا جو عمل ہے، وہ کتنا آسان اور مختصر ہے۔ صحابہ اِسی طرح کا آسان عمل چاہتے تھے اور خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے مزاج کو دیکھتے ہوئے، بلکہ فطرت کی رعایت کرتے ہوئے آسان دین کی

دعوت پیش کرتے تھے۔ دین کی یہی فطری آسانی تھی جس نے کافروں کا دل جیت لیا تھا اور عمل کا یہی رعایتی معاملہ تھا جس نے صحابہ کو ہر حال میں متحد بنا رکھا تھا۔

جو لوگ اسلام کو مختصر طور پر لینا چاہتے ہیں، اُن کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ''مختصر اسلام'' کی طرف رہنمائی کر دی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اِس مختصر اسلام پر چلنے والا شخص جنتی ہے۔

دعوتِ دین کی حکمت

یہاں ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ آپ نے دین کے آسان، اور مختصر ہونے کی جو کچھ تشریح کی ہے، اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان پر دو چار کاموں کی ذمہ داری ہے، اُس کے بعد وہ آزاد ہے۔ کیا مسلمان کو اُن حرام چیزوں سے بچنے کی ضرورت نہیں جس کو بار بار قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً زنا، شراب، چوری، خنزیر کا گوشت وغیرہ۔

اِس پریشانی کو حل کرنے کے لئے کچھ ابتدائی باتوں کو ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ دین کے احکام کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک کو ''اوامر'' کہتے ہیں، دوسرے کو ''نواہی''۔ ایک دین کا مثبت پہلو ہے اور دوسرا دین کا منفی پہلو۔

دین کا مثبت پہلو ہی دین کا حقیقی پہلو ہے۔ اوامر ہی اصل مقصود ہیں۔ نواہی کا معاملہ وقت اور حالات پر موقوف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی ایسے مسلمان کو دین سکھانا ہو جو شراب نہیں پیتا۔ اگر اُسے یہ کہا جائے کہ ''شراب تم پر حرام ہے'' تو یہ ایک بے تکی بات ہوگی۔ کسی بوڑھے، بیمار اور کمزور کو جو بال بچوں والا ہو، اُسے دین کی تعلیم دیتے وقت یہ کہنا کہ ''زنا تم پر حرام ہے'' بڑی غیر مناسب بات ہوگی۔ کسی تھانیدار کو اسلام کی تعلیم دیتے ہوئے یہ کہنا کہ ''چوری کرنا تم پر حرام ہے'' نہایت احمقانہ بات ہوگی۔ جس بستی میں خنزیر پایا ہی نہ جاتا ہو، وہاں دین کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ''خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے'' بڑی بے موقع گفتگو ہوگی۔

’حرام‘ کے بارے میں گفتگو وہاں کی جائے گی جہاں اُس کی ضرورت محسوس ہو۔جو آدمی حرام میں مبتلا ہو، اُسے حرام سے بچنے کے لئے کہا جائے گا۔یہ گفتگو نہ تو ہر موقع پر مناسب ہے اور نہ ہی ہر ایک کو اُس کی ضرورت ہے۔اِس کے لئے موقع بھی خاص ہوتا ہے اور مخاطب بھی خاص ہوتے ہیں۔جیسا کہ اوپر وفد عبدالقیس کے بارے میں ذکر ہوا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اُن لوگوں کو شراب کے برتن استعمال کرنے سے روکا۔آپ نے مدینے کے عام صحابہ کو اِس طرح کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی ہر نئے مسلمان کے سامنے ’’حرام‘‘ کی بات کی۔

ایسا آپ اِسی لئے کرتے تھے کہ عام حالات میں ’حرام‘ سے واسطہ نہیں پڑتا ہے۔لھٰذا جو حرام میں نہیں الجھتا، اُس کے لئے جنت کا آسان راستہ یہ ہے کہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، زکوٰۃ دے اور حج کرے۔

اِس بات کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور مردوں سے بیعت لیتے تھے۔جن مردوں سے آپ بیعت لیتے تھے، اُن میں سے ہر ایک سے مختلف باتوں پر بیعت لیتے تھے، لیکن عورتیں جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے لگیں تو آپ اُن سے ایک خاص قسم کی بیعت لیتے تھے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن میں دیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الممتحنہ:12)

(اے نبی! جب مومن عورتیں آپ کے پاس آئیں تو وہ آپ سے اِس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کچھ شرک نہ کریں، چوری نہ کریں، زِنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، کسی پر ایسا الزام نہ لگائیں جسے وہ اپنے سامنے گڑھیں اور وہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں تو آپ اُن سے بیعت لیں اور اُن کے لئے اللہ سے استغفار

کریں، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عورتوں سے اِس طرح کا اقرار اُن کے لئے آزمائش کا معاملہ تھا۔(69)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر اِس طرح کی بیعت کیوں لیتے تھے؟ عورتوں سے زنا، چوری، اولاد کا قتل اور الزام تراشی وغیرہ چھوڑ دینے کا اقرار کیوں کراتے تھے؟

مکہ کی مشرک عورتیں جن اخلاقی برائیوں میں زیادہ مبتلا تھیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور سے اُن کا ذکر کرکے بیعت لیتے تھے، کیونکہ اُن کی حالت ہی ایسی تھی کہ ہر دوسری بات کو نظر انداز کرکے اُنہی باتوں پر زور دیا جائے جو موقع کی نزاکت ہے، لیکن آپ نہ مدینے کی عورتوں سے اِس طرح کی بیعت لیتے تھے اور نہ عام طور پر مردوں سے اِس طرح کی بیعت لیتے تھے۔ اِس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ حرام یا نواہی کا معاملہ ایک مسلمان کی زندگی میں وقتی اور ضمنی طور پر ہوتا ہے۔ اصل تو اوامر ہیں اور خصوصیت کے ساتھ وہ اوامر جن کا مختصر طور پر ذکر بار بار حدیثوں میں آیا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا۔

دوسرا حل

دوسری چیز یہ کہ دین اِس لئے ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرے۔ یہ کام ہمیشہ مثبت طریقے پر ہوتا ہے۔ یہاں منفی رویّہ کارآمد نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر اور اُس کی عبادت کرنے سے یہ مقصد پورا ہوتا ہے۔ کوئی شخص منفی رویّہ اختیار کرکے اِس مقصد کو نہیں پا سکتا۔ یعنی آدمی یہ سوچے کہ نہ وہ شراب پئے گا، نہ چوری کرے گا، نہ زنا کرے گا اور نہ کوئی حرام کام کرے گا، اِس طرح وہ ذکر و عبادت کئے بغیر اللہ کا قُرب حاصل کرلے گا تو یہ ایک انہونی بات ہے۔

---

(69) بخاری: کتاب التفسیر/ باب (إِ ذَاجَاءَ کَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ (حدیث:4895)
مسلم: کتاب الإ مارۃ: باب کَیْفِیَّۃِ بَیْعَۃِ النِّسَاءِ. (حدیث:1866)
مسند الامام احمد: 10/641 (حدیث:27080)

ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص حرام سے نہ بچتا ہو، شراب بھی پیتا ہو اور زنا بھی کرتا ہو، لیکن اُس کے ساتھ ساتھ وہ نماز بھی پڑھتا ہو، اللہ کی عبادت بھی کرتا ہو اور کثرت سے اُس کا ذکر بھی کرتا ہو، تو یہی مختصر سا کام اُسے اُن تمام حرام اور گناہ سے نجات دلا کر اُسے اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نماز کی اِس برکت کا خود قرآن ذکر کرتا ہے:

﴿اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ (العنکبوت:۴۵)

(بے شک نماز بے حیائیوں اور برے کام سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر زیادہ بڑا ہے۔)

یعنی انسان پورے خشوع کے ساتھ اگر نماز پڑھتا رہے تو وہ ہر طرح کے گناہ سے بچ جائے گا۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ: فلاں شخص رات میں نماز پڑھتا ہے، پھر صبح تڑکے چوری کرتا ہے؟

آپ نے فرمایا:" إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا يَقُولُ ".

(جو وہ نماز میں کہتا ہے، وہ کہنا جلد اُسے چوری سے روک دے گا۔)(70)

اِس حقیقت کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو دین کی مختصر تعلیم دیتے تھے تو وہ حرام اور گناہ کی بات نہ کر کے، نماز اور روزہ کی تعلیم دیتے تھے، اللہ کی عبادت اور اُس کے ذکر پر زور دیتے تھے۔

تیسرا حل

اسلام نے جن اخلاقی برائیوں کو حرام اور گناہ قرار دیا ہے، اُن میں سے زیادہ تر برائیاں ایسی ہیں جو پہلے ہی سے سماج میں 'برائی' مانی گئی ہیں۔ مثلاً قتل کرنا، چوری کرنا،

---

(70) مسند الامام احمد: 658 / 4 (حدیث: 10030)

کشف الاستار: 346 / 1 (حدیث: 720)

شعب الإيمان: 545 / 4 (حدیث: 2991)

زنا کرنا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، دوسرے کا مال ہڑپ لینا، وغیرہ وغیرہ۔ اسلام نے یہ کیا کہ اُن برائیوں سے بچنے کے لئے انسان کے سامنے خدا کا خوف اور آخرت کے عذاب کا تصوررکھ دیا تاکہ اگر کسی کو سماج کا اور سماج کے قانون کا ڈر نہ ہو تو وہ خدا کے ڈر سے برائی کو چھوڑ دے، لھذا کوئی سادہ ذہن کا آدمی جو ہندوستان کا رہنے والا ہو، اگر اسلام کے راستے پر چلنا چاہے تو ہندوستانی سماج نے اُسے پہلے ہی سے بتا دیا ہے کہ شراب پینا، زنا کرنا، چوری کرنا، زمین جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا، اخلاقی جرم بھی ہے اور قانونی جرم بھی۔ ایسے شخص کو اِن برائیوں کی تفصیل میں اُلجھانے کی ضرورت نہیں، اُسے بس مختصر طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ''اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کچھ شرک مت کرو، فرض نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ دو اور رمضان کا روزہ رکھو''۔

اور اگر کوئی اسلام کا کلمہ پڑھ چکا ہے، اب وہ اسلامی عمل بھی کرنا چاہتا ہے تو اُسے یہ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ''اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کچھ شرک مت کرو''، بلکہ اُسے مختصر طور پر صرف چار چیزوں کو بتا دینا کافی ہوگا، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجد کا ایک شخص اسلام کے بارے میں دریافت کرنے لگا تو آپ نے بتایا کہ:

''رات اور دن میں پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا ہے''۔

اُس نے پوچھا کہ اِس کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے؟

آپ نے جواب دیا: نہیں، لیکن چاہو تو نفل نماز پڑھو۔

پھر آپ نے بتایا کہ: رمضان کے روزے رکھنا ہے۔

اُس نے پوچھا: اِس کے علاوہ بھی کوئی روزہ ہے؟

آپ نے جواب دیا: نہیں، لیکن چاہو تو نفل روزہ رکھو۔

پھر آپ نے اُس سے زکوٰۃ کا ذکر کیا۔

اُس نے پوچھا کہ: زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی صدقہ دینا میرے لئے ضروری ہے؟

آپ نے جواب دیا: نہیں، لیکن چاہو تو نفل صدقہ ادا کرو۔

جب وہ جانے لگا تو وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم! میں اِس پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اِس میں سے کچھ کم کروں گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ ".

اگر اُس نے سچ کہا تو کامیاب ہوگا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے: "دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ".

اگر اُس نے سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (71)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مختصر سے عمل پر کامیابی کی ضمانت دے دی۔ یہ وہی کامیابی ہے جو جنت میں داخل ہونے کی صورت میں ہے۔

چوتھا حل

صالح اسلامی معاشرہ بھی بہت سے مسائل کا حل ہوتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے ملنے جلنے سے بھی بہت سی مشکلیں دور ہوتی ہیں۔ دورِ نبوی میں مسلمانوں کا جو معاشرہ تھا، وہ اِس معاملے میں بہت زیادہ مفید تھا، کیونکہ تمام مسلمانوں کو یہ موقع نہیں ملتا تھا کہ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہا کریں اور آپ سے دین کی تعلیم حاصل کریں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتا، وہ غائب رہنے والوں کو آپ کا پیغام پہنچا دیتا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی ایک ہدایت تھی، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

"أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَهُ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ".

(سن لو، حاضر رہنے والے کو چاہیے کہ وہ غائب رہنے والے کو پیغام پہنچا دے، کیونکہ اُمید ہے کہ وہ ایسے شخص کو پیغام پہنچا دے جو اُس سے زیادہ اُس پیغام کو محفوظ کرنے

---

(71) مسند الامام احمد: 449/1 (حدیث: 1406)

بخاری: کتاب الإیمان/ باب الزَّکَاةُ مِنَ الإِسْلَامِ (حدیث: 46)

مسلم: کتاب الإیمان/ باب بَیَانِ الصَّلَوَاتِ الَّتِی هِیَ أَحَدُ أَرْکَانِ الإِسْلَامِ (حدیث: 11)

ابوداؤد: کتاب الصَّلَاةِ / باب الصَّلَاةِ مِنَ الإِسْلَامِ (حدیث: 391)

نسائی: کتاب الصَّلَاةِ / باب کَمْ فُرِضَتْ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ (حدیث: 458)

والا ہو۔)(72)

اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے یہ اعلان تو حجۃ الوداع کے موقع پر کیا تھا،لیکن صحابہ اپنے رسول اوراُن کے دین کے اِس مزاج کو پہلے ہی سے دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔ اِس لئے اُنھوں نے دین کی تبلیغ کا یہ طریقہ پہلے ہی سے اختیار کر رکھا تھا، کیونکہ دِقّت تو سب کے سامنے تھی، ہر صحابی ہر وقت اور ہر موقع پر رسول کے پاس حاضر رہ کر دین سیکھنے سے عاجز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ نے اِس کام کے لئے آپس میں باری لگا رکھی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ: میں نے اور میرے ایک انصاری پڑوسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی باری لگا رکھی تھی۔ ایک دن وہ جاتا اور دوسرے دن میں جاتا۔ جب میں جاتا تو آ کر اُسے اُس دن کی خبر دیتا، چاہے وہ قرآن کی وحی کا معاملہ ہو یا اُس کے علاوہ کوئی دوسری بات اور جب وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔(73)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِس صالح اسلامی معاشرہ پر اعتماد کر کے ہر ایک کو دین کے بارے میں زیادہ باتیں نہیں بتاتے تھے، بلکہ آپ ضروری اور موقع کی باتیں بیان کرنے کا بہت زیادہ لحاظ فرماتے تھے، پھر صحابہ ایک دوسرے سے ملاقات ہونے پر اُن باتوں کو معلوم کر لیا کرتے تھے۔

’حرام‘ کا معاملہ بھی اِیسا ہی تھا۔ اسلامی معاشرہ میں رہنے سہنے کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام۔ حلال وحرام کے جاننے کا یہ ذریعہ تو آج

---

(72) مسند الامام احمد:259/8(حدیث:20924)
بخاری: کتاب الفتن/ باب قَولِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم »لَا تَرْجِعُوا بَعْدِی کُفَّارًا (حدیث:7078)
مسلم: کتاب الْقَسَامَۃِ/ باب تَغْلِیظِ تَحْرِیمِ الدِّمَاءِ وَالأَعْرَاضِ وَالأَمْوَالِ .(حدیث:1679)
(73) بخاری: باب التَّنَاوُبِ فِی الْعِلْمِ (حدیث:89)
مسلم: باب فِی الإِیلاَءِ وَاعْتِزَالِ النِّسَاءِ وَتَخْیِیرِہِنَّ (حدیث:1479)

کے مسلم معاشرے میں بہت زیادہ عام ہے۔مسلمانوں کو عام طور پر معلوم رہتا ہے کہ بکری، بھینس، مرغ اور مچھلی وغیرہ کا گوشت حلال ہے اور گدھا، گھوڑا، خنزیر اور بندر وغیرہ کا گوشت حرام ہے۔ شراب اور جُوا حرام ہے۔زنا، قتل، چوری اور ڈکیتی وغیرہ حرام ہے، حالانکہ مسلمانوں نے باضابطہ کسی عالم سے یا کوئی کتاب پڑھ کر یہ معلومات حاصل نہیں کیں۔اسلام کے ابتدائی دور کی ایک مثال دیکھئے:

جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے تو مکہ کے مشرکین بھی اُن کی مخالفت میں حبشہ تک چلے گئے اور وہاں کے بادشاہ نجاشی سے ملاقات کر کے اُن کے خلاف شکایت کی اور اُنھیں گرفتار کر کے اپنے شہر اُن مسلمانوں کو واپس لے جانا چاہا۔اِس معاملے کو سمجھنے کے لئے نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اُن سے اُن کے دین کے بارے میں جاننا چاہا۔تب مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا:

’’أَيّهَا الْمَلِكُ كُنّا قَوْمًا أَهْلَ جاهِلِيّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ وَنُسِيءُ الْجِوَارَ وَيَأْكُلُ الْقَوِيّ مِنّا الضّعِيفَ فَكُنّا عَلَى ذَلِكَ حَتّى بَعَثَ اللّهُ إلَيْنَا رَسُولًا مِنّا، نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ فَدَعَانَا إلَى اللّهِ لِنُوَحّدَهُ وَنَعْبُدَهُ وَنَخْلَعَ مَا كُنّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفّ عَنْ الْمَحَارِمِ وَالدّمَاءِ وَنَهَانَا عَنْ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزّورِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَأَمَرَنَا بِالصّلَاةِ وَالزّكَاةِ وَالصّيَامِ قَالَتْ فَعَدّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ فَصَدّقْنَاهُ وَآمَنّا بِهِ وَاتّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ مِنْ اللّهِ فَعَبَدْنَا اللّهَ وَحْدَهُ فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَحَرّمْنَا مَا حَرّمَ عَلَيْنَا، وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا‘‘.

’’اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔بتوں کی پوجا کرتے تھے۔مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔رشتے توڑتے تھے۔ پڑوسیوں کا خیال نہ رکھتے تھے۔ہم میں کا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔اِس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی درمیان سے ایک رسول

کو ہمارے پاس بھیجا جس کا نسب ہمیں معلوم ہے۔ جس کی سچائی، امانت داری اور پارسائی ہم پہچانتے ہیں۔ اُس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔ ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے اُنھیں چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ نبھانے، پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے، ناجائز کاموں سے باز آنے اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا۔۔۔۔۔۔ اور بدکاریوں سے، جھوٹی باتوں سے، یتیم کا مال کھانے سے اور پاکدامن عورتوں پر الزام لگانے سے ہمیں منع کیا تو ہم نے اُس کو سچا جانا اور اس پر ایمان لے آئے۔ اُس نے جو کچھ اللہ کا حکم ہمارے سامنے پیش کیا، ہم نے اُس کی پیروی کی۔ ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اُس نے ہمارے اوپر جو کچھ حرام کیا، ہم نے اُسے حرام جانا اور جو حلال کیا، اُسے حلال سمجھا۔ بس اِس وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی"۔(74)

حضرت جعفر بن ابی طالب نے اپنی تقریر میں بہت سی برائیوں اور حرام کاموں کا ذکر کیا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اتنی تفصیل سے اُنھیں یہ سب کچھ نہیں بتایا تھا، پھر بھی اُنھوں نے اصل معاملے کو پوری تفصیل سے بتا دیا۔ اِس کی ایک وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کو جو وقتاً فوقتاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے، اُسے سب ایک دوسرے سے سیکھ لیا کرتے تھے۔

پانچواں حل

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم کا مختصر اور آسان طریقہ اختیار کیا تھا اور حلال وحرام کی تفصیل میں نہیں جاتے تھے، اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہتی تھی اور صحابہ اُسے حاصل کرتے رہتے تھے۔ وحی کے ذریعے بہت سارے احکام معلوم ہو جاتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر وحی کو پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے اور اُس کے لکھنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

---

(74) مسند الامام احمد: 547/1 (1766)
سیرۃ ابن ہشام: 362/1

قرآن میں اُن حرام چیزوں کا واضح بیان ہوتا تھا جو وقت کی ضرورت کے مطابق اور صحابہ کے حالات کے مناسب تھا۔

دو جملوں کا اسلام

سادہ لفظوں میں آسان باتیں بیان کردینا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا کمال بھی تھا اور دین کا صحیح تعارف بھی۔ کہیں کہیں تو آپ نے صرف دو چھوٹے جملوں میں دین کی اصل حقیقت کو بیان کردیا ہے۔ جیسا کہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے اسلام کے معاملے میں کوئی ایسی بات بتادیں کہ پھر میں اُس کے بارے میں کسی دوسرے سے نہ پوچھوں۔

آپ نے فرمایا: '' قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ''.

(یعنی کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر سیدھے راستے پر چل پڑو۔)(75)

اِن دو جملوں میں ایمان وعمل کی ساری حقیقتیں سمٹ کر آ گئی ہیں''۔

دین میں آسانی اور اختصار کا معاملہ ایک فطری معاملہ ہے۔ اِس زمانے میں انسان کی یہ فطرت بہت زیادہ اُبھر کر سامنے آئی ہے۔ وہ کسی بھی معاملے کو مختصر طور پر لینا چاہتا ہے۔ الفاظ کم ہوں اور مفہوم زیادہ، باتیں کم ہوں اور کام زیادہ۔ لمبی چوڑی باتوں کا الجھاؤ اور کام کا بہت زیادہ پھیلاؤ، آج کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ طریقہ بن چکا ہے۔ صحابہ کا مزاج پوری طرح اِس صحیح فطرت پر قائم تھا، چنانچہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی جو باتیں معلوم کرتے تھے، اُس میں وہ اختصار اور آسانی چاہتے تھے۔ میں

---

(75) مسند الامام احمد: 349/6 (حدیث: 15814)

ترمذی: کتاب الزہد باب مَاجَاءَ فِی حِفْظِ اللِّسَانِ (حدیث: 2592)

ابن ماجۃ: کتاب الفتن/باب کَفِّ اللِّسَانِ فِی الْفِتْنَۃِ (حدیث: 4107)

یہاں کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں جس سے دین کا یہ پہلو اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

صرف دو لفظ

''ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتا ہے کہ: یا رسول اللہ! مجھے کچھ ایسی باتیں سکھایئے، جن کے مطابق میں زندگی گزاروں اور مجھے اتنی زیادہ باتیں نہ بتائیں کہ میں بھول جاؤں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' لاَ تَغْضَبْ ''. (یعنی غصہ مت کرو۔)

اُس آدمی نے کئی بار اپنا سوال دہرایا اور آپ نے ہر بار یہی کہا کہ غصہ مت کرو''۔(76)

آپ نے زندگی کے اخلاقی پہلو کو دو لفظوں میں بیان کر کے رکھ دیا۔ جس آدمی کو اپنے غصہ پر کنٹرول ہوتا ہے، وہ طبعی طور پر اچھے اخلاق والا ہوتا ہے۔ اخلاقیات کا پیچیدہ فلسفہ پڑھنے کے بجائے وہ حسنِ اخلاق کی اِس روح کی حفاظت کرے، اُس کا اخلاق بگڑنے نہیں پائے گا۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ بداخلاق وہی ہوتے ہیں جو عام طور پر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور خوش اخلاق وہ ہوتے ہیں جن کے اندر 'نظرانداز' (Ignore) کرنے کی خوبی ہوتی ہے۔

یہ پانچ بھی کافی ہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بڑے سے بڑے مسائل کو گنتی کے چند جملوں میں بیان کر دیتے تھے اور عمل کے لمبے چوڑے میدان کو چند قدموں میں طے کرا دیتے تھے۔ اِسے ایک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(76) المؤطا: کتاب حسن الخلق / باب مَاجَاءَ فِی الْغَضَبِ. (حدیث:1646)
مسند الامام احمد: 403 / 4 (حدیث:8978)
بخاری: کتاب الأدب / باب الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ. (حدیث:2152)
ترمذی: کتاب البر والصلة / جَاءَ فِی کَثْرَةِ الْغَضَب. (حدیث:2152)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری اُمت میں سے کون پانچ عادتوں کو اختیار کرے گا یا وہ پانچ عادتیں ایسے شخص کو بتائے گا، جو عمل کرنے کا شوق رکھتا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ نے میرا ہاتھ تھاما، پھر اُنھیں شمار کراتے ہوئے فرمایا:

"اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنْ إِلَيجَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِناً وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً وَلاَ تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ".

(حرام سے بچو تو سب سے بڑے عبادت گزار انسان ہو جاؤ گے، اللہ نے تمھاری قسمت میں جو دیا ہے، اُس سے راضی رہو تو سب سے زیادہ بے نیاز (مالدار) انسان ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو صحیح مومن بنو گے، لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو سچے مسلمان رہو گے اور زیادہ مت ہنسو، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دِل مردہ ہو جاتا ہے۔)(77)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن پانچ باتوں کو 'خصلت' کہا ہے۔

اِس میں یہ ذہن دینا مقصد ہے کہ تم اِن باتوں کو کبھی کبھار عمل کے لئے مت سمجھو، بلکہ اُسے اپنی زندگی کی عادت میں شامل کرلو۔ فرائض کے بعد اگر یہی پانچ عادتیں بنی رہیں تو ایک مسلمان کی نجات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ اِنہی چند باتوں پر عمل کر کے مسلمان، جنتی مسلمان بن سکتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اسلامی اعمال کو کس حد تک سمیٹ کر پیش کیا ہے۔ یہاں سے یہ بھی ذہن ملتا ہے کہ مسلمانوں کو بہت زیادہ اعمال و مسائل میں اُلجھانا حکمت کے خلاف بھی ہے اور حالات کے خلاف بھی۔ آج کے مسلمانوں کو پیغمبر کی اِنہی حکیمانہ ہدایتوں کی ضرورت ہے۔

---

(77) مسند الامام احمد: 250/4 (حدیث: 8316)
ترمذی: کتاب الزُّہدِ/ بَابٌ: مَنِ اتَّقَى المَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ. (حدیث: 2475)

ضرورت کے باوجود رعایت

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے عمل کو اپنی اُمت کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اُس عمل کو اپنی اُمت پر واجب کر دیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ اُس کو واجب کرنے میں اُمت مشکل میں پڑ جائے گی، اِس لئے آپ نے اپنی اُمت کی آسانی کے واسطے اُس کو اختیاری کر دیا، جس کا جی چاہے کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے۔ مثال کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ".

(اگر میری اُمت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ضرور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔)(78)

دانتوں کی صفائی کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، میڈیکل سائنس نے آج کے زمانے میں اِس کی اہمیت کو بہت زیادہ واضح کر دیا ہے۔ صبح کے وقت دانت صاف کرنا، عام عادت ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے چاہا کہ کم از کم دن میں پانچ مرتبہ دانتوں کی صفائی کی جائے۔ آپ کی خواہش تھی کہ اُسے نماز کے وضو کے ساتھ شامل کر دیا جائے، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اِس طرح لوگ تنگی اور دشواری میں پڑ جائیں گے، آپ نے اتنی ضروری چیز کو، اُمت کی آسانی کے لئے چھوڑ دیا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو عمل مسواک کی حد تک ضروری اور اہم نہیں ہے، اُسے خواہ مخواہ مسلمانوں پر تھوپ دیا جائے؟!

---

(78)الموٗطا: کتاب الطہارۃ/ باب مَاجَاءَ فِی السِّوَاکِ. (حدیث:145)
مسند الامام احمد:243 /1(حدیث:671)
بخاری: کتاب الْجُمُعَۃِ/ باب السِّوَاکِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ. (حدیث:(887)
مسلم: کتاب الطہارۃ/ باب السِّوَاکِ .(حدیث:(612)

نفل عبادت

فرائض کے بعد نفل عبادت کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔قرآن وحدیث میں نفل عبادتوں کی بہت سی صورتوں کا ذکر ملتا ہے۔نفل عبادتوں کی اتنی زیادہ صورتیں اور قسمیں ہیں کہ اگر کوئی فرصت سے اُن تمام عبادتوں کو ادا کرنا چاہے تو یہ مشکل کام ہوگا۔دین میں نفل عبادتوں کی اتنی زیادہ صورتیں اور قسمیں اِس لئے بیان کردی گئی ہیں تا کہ جس مسلمان کو جو صورت زیادہ آسان معلوم ہواور جو اُس کی حالت اور مزاج کے زیادہ مطابق ہو، اُسی کو وہ اختیار کرے۔

بہت سے لوگ فرائض سے غفلت برتتے ہیں اور لوگوں کے حقوق ضائع کردیتے ہیں، لیکن نفل کاموں پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور اُنھیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

نفل عبادتوں کے سلسلے میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ایک انتہائی آسان نسخہ دے دیا ہے۔

عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول! بیشک اسلام کی شریعتیں (یعنی نفل عبادتیں) میرے سامنے بہت زیادہ ہوگئی ہیں، لھٰذا آپ مجھے کسی ایسی چیز کے بارے میں بتادیجے کہ میں اُسے پابندی سے کروں۔

آپ نے فرمایا: ” لاَ یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ “.

(یعنی تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تَر رہے۔)(79)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے

---

(79) مسند الامام احمد: 292 / 7 (حدیث: 18167)

ترمذی: کتاب الدعوات/ باب مَاجَاءَ فِی فَضْلِ الذِّکْرِ. (حدیث: 702)

ابن ماجۃ: کتاب الأدب/ باب فَضْلِ الذِّکْر. (حدیث: 925)

کہ آپ کی عملی زندگی میں 'ذکر' کو بڑا دخل حاصل تھا۔ اِس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بڑی اہم ہے، وہ کہتی ہیں کہ:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله عليه وسلم يَذْكُرُ اللَّهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ".

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کا ذکر ہر حالت میں کرتے تھے۔)(80)

نفل عبادت کا اِس سے زیادہ آسان راستہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، ہر وقت اور ہر جگہ، اِس عبادت کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ تجربہ بتاتا ہے کہ کسی دوسری نفل عبادت کا وہ اثر انسان کے دل ودماغ پر نہیں پڑتا، جو اثر اللہ کو برابر یاد کرنے اور اُس کی طرف توجہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک مومن کے اندر اِسی طریقے سے اعلیٰ روحانیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ کا قُرب محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہ بھی ایک سنہرا اتفاق ہے کہ جو طریقہ زیادہ آسان ہے، اُس میں زیادہ ترقی اور فائدہ ہے۔

نفل کا بوجھ نہیں

نفل عبادتوں میں نفل نماز اور نفل روزے کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت ہے۔ جو آدمی بہت زیادہ نفل نماز اور نفل روزے کا اہتمام کرتا ہے، وہ بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر لیتا ہے، لیکن اِس کے باوجود کوئی اِن دونوں نفل کی وجہ سے پریشان ہوجائے یا کسی کا حق مارا جائے تو پھر یہ عبادت، عبادت نہیں رہ جاتی، بلکہ وہ ایک زحمت بن جاتی ہے۔ جیسا کہ دورِ نبوی میں پیش آنے والے اِس واقعے سے اِس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (وفات: 65ھ) ایک عبادت گزار

---

(80) مسند الامام احمد: 10/659 (حدیث: 27131)

مسلم: کتاب الحیض / باب ذِکرِ اللَّہِ تعَالَی فی حَالِ الْجَنَابَۃِ وَغَیرِہا (حدیث: 852)

ابوداؤد: کتاب الطہارۃ / باب فِی الرَّجُلِ یَذْکُرُ اللَّہَ تعَالَی علی غَیْرِ طُہر (حدیث: 18)

ترمذی: کتاب الدعوات / باب مَاجاءَ أنَّ دَعْوَۃَ الْمُسلِمِ مُسْتَجَابَۃٌ (حدیث: 3712)

ابن ماجۃ: کتاب الطہارۃ وسننہا / باب ذِکرِ اللَّہِ عَزَّ وَجَلَّ علی الْخَلَاءِ (حدیث: 321)

صحابیِ رسول تھے۔ اُنھیں نفل عبادت کا بہت زیادہ شوق تھا۔ وہ بلا ناغہ روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ اُن کے اِس عمل کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا۔ آپ نے اُنھیں بلایا اور کہا کہ مجھے جو خبر ملی ہے، کیا وہ صحیح ہے کہ تم بلا ناغہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو؟

اُنھوں نے جواب دیا: یارسول اللہ! خبر درست ہے، میرا مقصد صرف خیر ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص نے جب آپ کے سامنے اعتراف کرلیا تو آپ نے فرمایا:

" فَلاَ تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِکَ أَنْ تَصُومَ کُلَّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ لَکَ بِکُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِنَّ ذَلِکَ صِيَامُ الدَّهْرِ کُلِّهِ".

(ایسا مت کرو، روزہ رکھو اور ناغہ بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوو بھی، کیونکہ تمھارے اوپر تمھارے جسم کا بھی ایک حق ہے، تمھارے اوپر تمھاری آنکھ کا بھی ایک حق ہے، تمھارے اوپر تمھاری بیوی کا بھی ایک حق ہے اور تم سے ملاقات کرنے والے کا بھی تم پر ایک حق ہے۔ امید ہے کہ تم لمبی عمر پاؤ گے، تمھیں تو اتنا کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لو، کیونکہ ہر نیکی کے بدلے دس نیکی تمھارے لئے ہوگی۔ بلا شبہ یہ پورے سال کا روزہ ہوگا۔)

لیکن عبداللہ بن عمرو بن عاص کا شوقِ عبادت، کم پر راضی نہ ہوا۔ اُنھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے اندر اِس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے۔

تو آپ نے فرمایا: ہفتہ میں تین دن روزہ رکھ لو۔

اِس پر بھی اُن کا شوق کم نہ ہوا، بولے: مجھے اِس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے۔

آپ نے فرمایا: تب صومِ داؤد رکھو، لیکن اُس سے زیادہ مت رکھنا۔

اُنھوں نے پوچھا: یہ صومِ داؤد کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ یہ

آدھے سال کا روزہ ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں آسان راستہ بتایا، لیکن اُنھیں منظور نہ ہوا۔ اِس کی وجہ سے اُنھیں زندگی میں جو دشواری اٹھانی پڑی، اُس کا احساس اُنھیں اُس وقت ہوا، جب وہ بوڑھے ہوگئے اور بڑھاپے میں اتنی کمزوری بڑھی کہ وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے معذور ہوگئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے مشکل عبادت کی تو خود ہی مشکل میں پڑ گیا۔ کاش میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرلیا ہوتا۔ (81)

اِس واقعے کا جو سب سے زیادہ عجیب پہلو ہے، وہ یہ ہے کہ مہینے کے تین روزے جو آسان ہیں، اُنھیں پورے سال کا روزہ قرار دیا گیا اور ایک دن کے ناغہ سے روزہ رکھنا جو بلاشبہ انتہائی مشکل کام ہے، اُسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھے سال کا روزہ قرار دیا۔ اِس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دین کا آسان راستہ اختیار کرنے میں دنیا کی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔

پہلے حق پھر نفل

ہجرت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مؤاخات قائم کردیا، یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی بنادیا۔ جیسا کہ حضرت سَلمان اور حضرت ابوالدّ رداء کو آپس میں بھائی بنایا تھا۔ ایک دن حضرت سلمان، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے ملاقات کرنے گئے۔ دیکھا کہ اُن کی بیوی اُمّ الدّ رداء روکھی پھیکی تھیں۔ اُنھوں نے اُمّ الدّ رداء سے پوچھا: تم نے یہ کیا حالت بنارکھی ہے؟

اُمّ الدّ رداء نے کہا: تمھارے بھائی اَبوالدّ رداء کو دنیا سے کوئی مطلب نہیں۔

---

(81) مسندالامام احمد: 631/3 (حدیث: 7046)

بخاری: کتاب الأدب/ باب حَقِّ الضَّيْفِ (حدیث: 6134)

مسلم: کتاب الصیام/ باب النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الدَّهْرِ (حدیث: 2795)

نسائی: کتاب الصیام/ باب صَوْمِ يَوْمٍ وَإِفْطَارِ يَوْمٍ (حدیث: 145)

شرح ابن بطال: 120/4

اتنے میں اَبوالدّرداء آئے اور سَلمان کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ سَلمان نے اُن سے کہا کہ کھاؤ!

اُنھوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔

سَلمان نے کہا: تم جب تک نہیں کھاؤ گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔

تب اُبوالدّ رداء نے کھایا۔ جب رات ہوئی تو اَبوالدّ رداء نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سَلمان نے کہا: سو جاؤ تو وہ سو گئے، پھر جب رات کا ایک حصہ گزرا تو ابوالدّ رداء نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو سَلمان نے کہا: سوتے رہو۔

جب رات کا آخری حصہ ہوا تو سَلمان نے کہا: اب اُٹھو! چنانچہ دونوں نے اُٹھ کر نماز پڑھی۔ تب سَلمان نے اُن سے کہا:

" إِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا، وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا، وَلأَهْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَأَعْطِ کُلَّ ذِی حَقٍّ حَقَّهُ ".

(بلاشبہ تمھارے رب کا تمھارے اوپر ایک حق ہے، تمھارے نفس کا تمھارے اوپر ایک حق ہے، تمھارے بال بچوں کا تمھارے اوپر ایک حق ہے، لٰھذا ہر حقدار کو اُس کا حق ادا کرو۔)

اُس کے بعد اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

" صَدَقَ سَلْمَانُ ". (سَلمان نے سچ کہا۔)(82)

عبادت میں زیادہ محنت کرنے سے اور اُس میں زیادہ وقت دینے سے بہت سے حقوق ادا نہیں ہو پاتے، حالانکہ حقوق ادا کرنا زیادہ ضروری ہے اور یہ اُسی وقت ہو سکے گا، جبکہ عبادت کے مشکل راستے کو چھوڑ کر آسان راستے کو اختیار کیا جائے۔

---

(82) صحیح ابن خُزَیمَۃ: 309 / 3 (حدیث: 2144)
بخاری: کتاب الصوم/ باب مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ (حدیث 1968)

شریعت کا ہر قانون آسان ہے۔ بنیادی طور پر اُس میں آسانی رکھی گئی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون کی زبان میں جو شریعت بیان کی ہے، اُس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ دیکھا جاسکے کہ شریعت میں کس حد تک آسانی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

مسلمان ناپاک نہیں

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مدینے کی کسی گلی میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپ کو دیکھ کر وہ کنارے ہٹ گئے اور واپس آگئے۔ گھر آکر غسل کیا، پھر لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ نے پوچھا: تم کہاں چلے گئے تھے؟

حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا: جب آپ مجھے ملے تھے تو اُس وقت میں ناپاک تھا۔

مجھے اچھا نہیں لگا کہ بغیر پاک صاف ہوئے میں آپ کے ساتھ بیٹھوں۔

آپ نے فرمایا: ” إِنَّ الْمُسْلِمَ لاَ يَنْجُسُ “.

(بے شک مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔)(83)

یعنی مسلمان پیشاب پاخانہ کرنے یا بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنے کی وجہ سے جو ناپاک ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے ناپاک ہے۔ ایسا نہیں کہ بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنے کی وجہ سے وہ اتنا ناپاک ہوجائے کہ بغیر غسل کئے نہ وہ کسی سے مِل سکتا ہے، نہ گھر میں چل پھر سکتا ہے اور نہ کھا پی سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

(83) مسند الامام احمد: 736/4 (حدیث: 10351)
مسلم: کتاب الحیض / باب الدَّلِیلِ عَلَی أَنَّ الْمُسْلِمَ لَا یَنْجُسُ (حدیث: 851)
بخاری: کتاب الصوم / باب مَنْ أَقْسَمَ عَلَی أَخِیهِ لِیُفْطِرَ فِی التَّطَوُّعِ (حدیث: 1968)

"سُبُحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لاَ يَنُجُسُ".
(سبحان اللہ! بے شک مومن ناپاک نہیں ہوتا۔)(84)

اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے عام طور پر شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں عقیدہ کی ناپاکی مراد ہے اور مومن اپنے عقیدہ کی وجہ سے پاک ہے، لھٰذا وہ کسی عمل سے ناپاک نہیں ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات جس موقع پر کہی ہے، اُس موقع کو دیکھتے ہوئے یہ ایک بے جوڑ تشریح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس مسلمان پر غسل فرض ہو، اُس سے بغیر غسل کے بھی ملاقات کی جاسکتی ہے، اُس سے مصافحہ کیا جاسکتا ہے اور اُس کے ساتھ مجلس میں بیٹھا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ معاملہ صرف مسلمان کے ساتھ خاص نہیں۔ کافر اور مشرک سے بھی بغیر غسل کے مِلنا جُلنا جائز ہے، حالانکہ اُس کا غسل، غسل بھی نہیں ہوتا، جبکہ وہ اپنے شرکیہ عقیدہ کی وجہ سے پورا ناپاک ہے۔ قرآن میں ہے:

"إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ". (التوبۃ:28)(مشرک تو ناپاک ہیں۔)

لھٰذا اِس موقع پر یہ کہنا بے رَبط معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے ایمان وعقیدہ کی بنیاد پر ناپاک نہیں ہوتا۔

بعض شارحین نے حدیث کی یہ تشریح کی ہے کہ مسلمان کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنا جسم صاف ستھرا رکھتا ہے، لھٰذا اگر اُسے غسل کی ضرورت ہو تب بھی وہ غسل کئے بغیر اپنے ہاتھ اور بدن کو صاف ستھرا رکھتا ہے، جبکہ مشرک کی یہ عادت نہیں ہوتی، اِس لئے اُس کے بدن اور ہاتھ پاؤں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اِسی کو دیکھتے ہوئے کہا گیا کہ ''مسلمان ناپاک نہیں ہوتا''۔

---

(84) مسند الامام احمد:26 /4(حدیث:7412)۔
بخاری: کتاب/ الغسل باب عَرَقِ الجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ (حدیث:283)
مسلم: کتاب الحیض / باب الدَّلِیلِ عَلَی أَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ (حدیث:850)

یہ کوئی اُصولی بات نہیں، یہ ایک تجربہ معلوم ہوتا ہے اور تجربہ حالات اور ماحول کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ اِس زمانے کا ایک تجربہ یہ بھی ہے کہ بہت سے غیر مسلم، مسلمانوں کے مقابلے میں، زیادہ صاف ستھرے رہتے ہیں تو پھر اِس حدیث سے کوئی رہنمائی نہیں مل سکتی، بلکہ اِس طرح کی کمزور تشریح سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مسلمان، دین کے راستے پر چلنے والا ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا۔ ایمان کی وجہ سے اُسے بہت سے احکام کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ مومن کے مقابلے میں کافر اور مشرک آزادانہ زندگی گزارتے ہیں۔ وہ کسی حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ خدا کی طرف سے اُن سے صرف ایک چیز کا مطالبہ ہوتا ہے اور وہ ایمان کا مطالبہ ہے۔

مومن کی زندگی قید والی زندگی ہوتی ہے، اُسے نماز پڑھنے کے لئے کبھی صرف وضو کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی غسل بھی کرنا ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی پابندی ہے، لیکن اس کے باوجود اُس کے لئے یہ آسانی اور رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ بغیر وضو اور غسل کے زندگی کے ہر کام کر سکتا ہے۔ ورنہ وہ مشکل اور تنگی میں پڑ جائے گا۔ اُس کے لئے آسانی اتنی ضروری چیز تھی کہ قانونی الفاظ میں یہ بیان کرنا پڑا کہ: ''مومن ناپاک نہیں ہوتا'' اور جب وہ ذکر یا عبادت کے لئے وضو یا غسل کرتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ اب وہ پاک ہوا۔

مشرک کا نماز یا تلاوت سے کوئی تعلق نہیں، لھٰذا وہ کبھی وضو یا غسل (شرعی) کر کے پاک بھی نہ ہوا، اِس لئے یہ کہنا درست ہے کہ مشرک اپنی بے قید زندگی کی وجہ سے ناپاک ہے۔

ساری زمین مسجد ہے

عبادت ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، لیکن ہر مذہب کے ساتھ دِقت یہ ہے کہ اُن کی عبادت کے لئے جگہ اور سامان خاص ہے۔ عیسائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ چرچ میں جائے یا اپنے گھر میں صلیب کے سامنے کھڑا ہو۔ ہندوؤں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مورتی یا دیوتا کے سامنے کھڑا ہو۔ مجوسی کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے سامنے آگ ہو۔

اسلام کا یہ واحد استثناء (exeption) ہے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے نہ کسی جگہ کی قید ہے اور نہ کوئی سامان ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے یہ قانونی ہدایت دی ہے:

" وَجُعِلَتِ الْأَرْضُ كُلُّهَا لِي وَلِأُمَّتِي مَسْجِداً وَطَهُوراً فَأَيْنَمَا أَدْرَكَتْ رَجُلاً مِنْ أُمَّتِي الصَّلاةُ فَعِنْدَهُ مَسْجِدُهُ وَعِنْدَهُ طَهُورُهُ ".

(میرے لئے اور میری اُمت کے لئے ساری زمین کو مسجد (نماز پڑھنے لائق زمین) اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، چنانچہ میری امت کے کسی بھی آدمی کے سامنے جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو اُس کی نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی حاصل کرنے کی چیز اُس کے پاس ہے۔)(85)

ایک تجربہ

ایک بار میں ٹرین کا سفر کر رہا تھا، دیکھا کہ ایک پنڈت اپنی برتھ پر "ہون" رکھے ہوئے تھا۔ (یہ ہندو مذہب کی وہ مقدس آگ ہے جس میں پوجا کا سامان ڈالتے رہتے ہیں اور اُس کے سامنے منتر پڑھتے ہیں) پوجا کرنے کے لئے اُس کو ضروری تھا کہ وہ اپنے سامنے ہون رکھے۔ ہون کو اپنے ساتھ سفر میں ڈھوتے پھرنا دانشمندی کے خلاف بھی ہے اور ٹرین کی برتھ پر اُس میں آگ جلا کر رکھنا قانون کے خلاف بھی۔ گویا پنڈت کی وہ عبادت، غیر دانشمندانہ اور غیر قانونی عبادت تھی، لیکن جب میری نماز کا وقت آیا تو وضو کے لئے ٹرین میں پانی بھی موجود تھا اور جگہ بھی خالی تھی۔ مجھے نہ وضو کا پانی ڈھونے کی زحمت کرنی پڑی اور نہ نماز کے لئے کوئی جگہ ڈھونڈنے کی پریشانی اٹھانی پڑی۔ وضو کے لئے ٹرین کا پانی استعمال کرنا غیر قانونی تھا اور نہ برتھ پر نماز پڑھنا غیر اخلاقی۔

---

(85) مسند الامام احمد: 168/9 (حدیث: 22771)
بخاری: کتاب الصلاۃ / باب قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم جُعِلَتْ لِیَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا (حدیث: 438)
مسلم: کتاب المساجد/ باب (حدیث: (119)

اِس طرح کے سیکڑوں، ہزاروں تجربوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں عبادت کا معاملہ کتنا آسان معاملہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے لوگوں نے یہ بحث چھیڑ کر اُمت کو تنگی میں ڈال دیا ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

پہلے کھانا پھر نماز

اللہ کی عبادت کرنا اہم بھی ہے اور ضروری بھی، لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کھانا پینا بھول کر بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، کیونکہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے وہ اِس طرح پورا نہیں ہوسکتا۔ عبادت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بہت زیادہ ٹائم دے یا اپنے آپ کو بالکل تھکا دے، بلکہ عبادت کا اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی خواہشوں سے اپنا دھیان پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اُس کا دھیان برابر کھانے کی طرف لگا رہے گا۔ اگر کوئی شخص پیاسا ہو تو اُس کا دھیان ہمیشہ پانی کی طرف جائے گا۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو اُس کا دھیان اللہ کی طرف ہونے کے بجائے کھانے پینے کی طرف لگا رہے گا، لٰہذا نماز کی جو روح ہے وہ فنا ہو جائے گی اور عبادت کا جو مقصد ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ نماز کا وقت ہو چکا ہو اور جماعت تیار ہو، ایسے میں بھوکے اور پیاسے آدمی کے لئے شریعت نے آسانی کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں یہ ہدایت دی ہے:

" إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَابْدَئُوا بِالْعَشَاءِ، وَلاَ يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ ".

(جب تم میں سے کسی کے آگے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کھڑی ہو تو پہلے وہ کھانا کھالے اور جب تک کھا کر فارغ نہ ہو جائے، نماز کی جلدی نہ کرے۔) (86)

---

(86) مسند الامام احمد: 350/3 (حدیث: 5940)

بخاری: کتاب الأذان/ باب إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ حدیث: (673)

مسلم: کتاب المساجد/ باب كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ (حدیث: 1272)

یہ کھانے پینے کی رعایت کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ عبادت کی آسانی کا معاملہ ہے۔ عبادت کے حقیقی مقصد کو اچھی طرح اور آسانی کے ساتھ پانے کا معاملہ ہے۔نماز کے ذریعے خدا سے جو رشتہ قائم ہوتا ہے، اُسے اچھی طرح نبھانے کا معاملہ ہے۔نماز کی اِسی حقیقت کے پیشِ نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی:

" إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، عَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا ".

(جب نماز قائم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نماز میں شریک مت ہو، بلکہ چلتے ہوئے آؤ۔تم پر ضروری ہیکہ اطمینان رکھو۔جتنی رکعت مل جائے، پڑھ لو اور جتنی رکعت چھوٹی ہو، ادا کرلو۔)(87)

نماز کو اطمینان کی حالت میں پڑھنے کا حکم ہے اور اطمینان کی حالت رعایت اور آسانی والی حالت ہے۔گھبراہٹ اور بے چینی کی حالت دشواری اور تنگی والی حالت ہے۔شریعت کا قانون آسان حالت کو پسند کرتا ہے۔اِسی نماز پڑھنے کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت بھی ملاحظہ کریں:

" إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلاَةِ ".

(جب گرمی سخت پڑنے لگے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔)(88)

لوگ اپنے بہت سے ضروری کام، گرمی کی شدّت کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں یا شام کے وقت پورا کرتے ہیں تو یہ کیسے مناسب ہوگا کہ عبادت کے معاملے میں اِس کی

---

(87) مسند الامام احمد: 672 / 4 (حدیث: 10090)
بخاری: کتاب الجمعۃ / باب المشی إلی الجمعۃ (حدیث: 908)
مسلم: کتاب المساجد / باب استحباب إتیان الصلاۃ بوقار وسکینۃ (حدیث: 1389)
(88) مسند الامام احمد: 35 / 4 (حدیث: 7448)
بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ / باب الإبراد بالظہر فی شدۃ الحر (حدیث: 536)
مسلم: کتاب المساجد / باب استحباب الإبراد بالظہر فی شدۃ الحر (حدیث: 1426)

رعایت نہ کی جائے۔ جولوگ نماز کو ایک ’ڈیوٹی‘ کی طرح انجام دیتے ہیں، اُنھیں سرد اور گرم موسم کی پروانہیں رہتی۔ اِسی لئے عام طور پر، سخت گرمی کے زمانے میں بھی لوگ ظہر کی نماز پہلی فرصت ہی میں پڑھ لیتے ہیں، کیونکہ اُنھوں نے نماز کے ساتھ عبادت کا رویّہ اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ اُنھوں نے نماز کے معاملے کو ڈیوٹی کا معاملہ سمجھا ہے، جسے اُنھوں نے اپنی فرصت اور کاروباری مصروفیت کے حساب سے سیٹ کر رکھا ہے، لیکن شریعت کا قانون نماز کو عبادت بنا کر پیش کرتا ہے اور یہ ہدایت دیتا ہے کہ اِس عبادت کو پریشانی اور آسانی کے فرق کو سامنے رکھ کر ادا کرو، تاکہ عبادت میں اطمینان کی حالت پیدا ہو نہ کہ بے چینی اور اُلجھن کی کیفیت۔

رخصت کا قانون

اسلامی شریعت کے قانون میں آسانی اور رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ آسانی اور رعایت، شریعت کے لئے وہ بنیادی چیز ہے کہ باضابطہ اُس کے لئے ایک قانون بنا ہوا ہے جسے رخصت کا قانون کہا جاتا ہے۔ اِس کی اہمیت کو جتاتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عَلَیۡکُمۡ بِرُخۡصَةِ اللّٰهِ الَّذِی رَخَّصَ لَکُمۡ“.

(اللہ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرنا تم پر ضروری ہے۔)(89)

اِس کی بہت ساری مثالیں حدیث کے اوراق میں مل جائیں گی۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کر کے اِس قانون کی وضاحت چاہتے ہیں:

عرب کے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ کھڑے کھڑے پیشاب کرتے تھے۔ بیٹھ کر پیشاب کرنا اُن کے یہاں عورتوں کی عادت تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ پہلی پہلی مرتبہ جب بعض لوگوں نے آپ کو بیٹھ کر پیشاب کرتے

---

(89) مسلم: کتاب الصیام/ باب جَوَازِ الصَّوۡمِ وَالۡفِطۡرِ فِی شَهۡرِ رَمَضَانَ لِلۡمُسَافِرِ (حدیث:2670)
نسائی: کتاب الصیام/ الۡعِلَّةُ الَّتِی مِنۡ أَجۡلِهَا قِیلَ ذَلِکَ، (حدیث:2258)

ہوئے دیکھا تو اُنھوں نے آپس میں کہا:

"انظُرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ".

(اِنھیں دیکھو! عورت کی طرح بیٹھ کر پیشاب کررہے ہیں۔)(90)

حضرت عائشہ نے یہاں تک کہا:

"مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم بَالَ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقْهُ أَنَا رَأَيْتُهُ يَبُولُ قَاعِدًا".

(جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تو اُس کی تصدیق مت کرو، میں نے دیکھا کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے ہیں۔)(91)

امام احمد کی روایت میں ہے:

"مَا بَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم قَائِماً مُنْذُ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ".

(جب سے قرآن نازل ہوا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔)

یہ حضرت عائشہ نے اپنی معلومات کے مطابق کہا تھا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ

---

(90) مسند الامام احمد: 308/7 (حدیث: 18231)
الکتاب المصنف: 206/1 (حدیث: 1315)
ابوداؤد: کتاب الطہارۃ/ باب الِاسْتِبْرَاءِ مِنَ الْبَوْلِ (حدیث: 22)
نسائی: کتاب الطہارۃ/ باب الْبَوْلِ إِلَى السُّتْرَةِ يُسْتَتَرُ بِهَا (حدیث: 30)
ابن ماجۃ: کتاب الطہارۃ وسننہا باب التَّشْدِيدِ فِي الْبَوْلِ .(حدیث: 372)
صحیح ابن حبان: 398/7 (حدیث: 3127)
(91) الکتاب المصنف: 209/1 (حدیث: 1335)
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان: 278/4 (حدیث: 1430)
ابن ماجۃ: کتاب الطہارۃ وسننہا/ باب فِي الْبَوْلِ قَاعِدًا (حدیث: 327)

علیہ وسلم نے بعض دفعہ ضرورت کے وقت کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے، جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"أَتَی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا".

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑا خانہ کے پاس آئے تو کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔)(92)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے خلاف کھڑے ہوکر پیشاب کیا، کیونکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے میں آپ کو کچھ دقت ہو رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اُس وقت رخصت کے قانون پر عمل کیا۔

یہ دِقّت کیا تھی؟ عام طور پر شارحینِ حدیث نے یہ لکھا ہے کہ "کوڑے کے قریب بیٹھ کر پیشاب کرنے میں اندیشہ تھا کہ پیشاب کی کوئی چھینٹ اُڑ کر آپ پر پڑ جائے"، لیکن یہ اندیشہ تو کچھ فرق کے ساتھ بیٹھ کر پیشاب کرنے میں بھی باقی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ آپ پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ نہیں پا رہے تھے، اِس لئے کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ لیکن یہ صرف ایک اِمکانی بات ہے۔ اِس سے اَصل وجہ پر روشنی نہیں پڑتی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوڑے کے قریب بیٹھنے سے آدمی کا چہرہ کوڑے سے بہت زیادہ قریب ہوجاتا ہے، اِس وجہ سے کوڑے کی بو طبیعت کو بہت زیادہ ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت زیادہ نازک اور حسّاس طبیعت کے مالک تھے، آپ نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھنے والے انسان تھے، اِس لئے آپ سے یہ گوارا نہ ہوا کہ کوڑے کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے ناگوار بؤ برداشت کریں، چنانچہ آپ نے کھڑے

---

(92) مسند الامام احمد: 9/481 (حدیث: 23885)
بخاری: کتاب/ الوضوء باب البَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا (حدیث: 224)
مسلم: کتاب الطہارۃ/ باب المَسحِ عَلَی الخُفَّینِ (حدیث: 647)

ہو کر پیشاب کرنے کو ترجیح دی۔

اِس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ طبیعت کی بے چینی اور ناگواری بھی دین میں پسندیدہ نہیں، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی دشواری اور تنگی ہے جبکہ دین تو آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اتنی اہم چیز ہے کہ اُس کی وجہ سے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ معمول کام کیا۔ یہ بھی ایک شریعت ہے اور اِس سے رخصت پر عمل کرنے کا اُصول معلوم ہوتا ہے۔

جھوٹ بھی جائز

جھوٹ بے حد بری چیز ہے۔ اُس سے خطرناک حد تک فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اُس کی بڑی مذمّت آئی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

''وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِى إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِى إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ، حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا''.

(بیشک جھوٹ بدکاری کے راستے پر لے جاتا ہے اور بدکاری جہنم کے راستے پر لے جاتی ہے۔ بلاشبہ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُسے اللہ کے پاس جھوٹا قرار دے دیا جاتا ہے۔)(93)

اِس کے باوجود بعض وقت جھوٹ بولنا جائز ہوتا ہے، بلکہ جھوٹ بولنے پر ثواب کی اُمید ہو جاتی ہے۔ یہ اُسی شریعت کے قانونِ رخصت کی برکت ہے۔ جھوٹ بولنے کے معاملے میں رخصت دیتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِى يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِى خَيْرًا، أَوْ يَقُولُ خَيْرًا''.

(وہ آدمی جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے کوئی اچھی بات

---

(93) مسند الامام احمد: 621 / 2 (حدیث: 4190)
بخاری: کتاب الأدب/ باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا (حدیث: 6094)
مسلم: کتاب البر والصلة والآدب/ باب قُبْحِ الْكَذِبِ وَحُسْنِ الصِّدْقِ وَفَضْلِهِ (حدیث: 6803)

(جھوٹ میں) بول دیتا ہے۔)(94)

سچائی سامنے لانے سے اگر دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ضروری ہے کہ اُس فتنہ پیدا کرنے والی سچائی سے پرہیز کیا جائے اور بہتر ہوگا کہ اُن دونوں کے جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔اگر جھوٹ بولنا پڑے تو بول دے، کیونکہ ایسے موقع پر سچ بولنے سے لوگ مشکل میں پڑ جائیں گے،لھٰذا آسانی پیدا کرنے والا جھوٹ ہی مناسب ہے۔

رخصت کا یہ قانون اتنا اہم اور ضروری ہوتا ہے کہ بعض وقت رخصت پر عمل نہ کرنے والا گنہگار ہو جاتا ہے۔جیسے مسافر اگر دو رکعت،قصر نماز پڑھنے کے بجائے پوری چار رکعت نماز پڑھے تو گنہگار ہوگا۔عبادت سے گناہ ہاتھ لگے،کتنی عجیب اور حیرت کی بات ہے!

اِسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"مَنْ لَمْ يَقْبَلْ رُخْصَةَ اللّٰهِ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ جِبَالِ عَرَفَةَ".

(جو اللہ کی رخصت کو قبول نہ کرے تو اُس پر عَرَفہ کے پہاڑ اتنا گناہ ہوگا۔)

ٹھیک یہی بات عُقبَہ بن عامر جُہَنی رضی اللہ عنہ نے بھی کہی تھی۔(95)

حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اِسی طرح کی بات کہی ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخْصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ".

(بے شک اللہ یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے،جیسا کہ وہ یہ ناپسند کرتا ہے کہ اُس کی نافرمانی کی جائے۔)(96)

---

(94)مسند الامام احمد:242/11(حدیث:28032)
بخاری: کتاب الصلح/باب لَیْسَ الْکَاذِبُ الَّذِی یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ(حدیث:2692)
مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب/باب تَحْرِیمِ الْکَذِبِ وَبَیَانِ مَا یُبَاحُ مِنْہُ(حدیث:6799)
(95)مسند الامام احمد:245/3(حدیث:5519)+219/7(حدیث:17913)
(96)مسند الامام احمد:365/3(حدیث:(6004)
صحیح ابن حبان:451/6(حدیث:(2742)
صحیح ابن خُزَیمَۃ:259/3(حدیث:(2027)

تیسرا حصہ

معاملات کی آسانی

پڑوسی کے لئے آسانی

پڑوس کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہوتا ہے۔جس محلے میں اچھے پڑوسی نہ رہتے ہوں، اُس محلے میں زندگی گزارنا ایک 'مسئلہ' بن جاتا ہے۔خاص طور سے اُن دو پڑوسیوں کے درمیان اگر تلخی پیدا ہو جائے جن کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں تو اُن میں سے کسی کو اگر اپنے گھر کی تعمیر کرانی ہوئی یا دیوار اٹھانی پڑی تو اچھا تعلق نہ ہونے سے پڑوسی کو مشکل اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِس نزاکت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اِس لئے آپ نے پڑوسیوں کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے اور اُن کے حقوق کی اہمیت جتانے کے لئے، اُنھیں ایک ہدایت فرمائی، جسے حضرت ابو ہریرہ نے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا:

" إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدَكُمْ جَارُهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ فَلاَ يَمْنَعْهُ ".

(جب تمھارا کوئی پڑوسی تم سے یہ اجازت چاہے کہ وہ اُس کی دیوار میں اپنے چھپّر کی لکڑی رکھے گا تو اُس کو ایسا کرنے سے منع نہ کرے۔)

جب ابو ہریرہ لوگوں سے حدیث بیان کر چکے تو اپنا سر جھکا کر کہا کہ "میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ اِس سے منہ پھیر رہے ہو۔اللہ کی قسم! میں ضرور اُس لکڑی کو تمھارے مونڈھوں پر رکھوں گا"۔(97)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کو یہ ہدایت اِس لئے دی تھی کہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے لئے آسانی رہے۔آپ نے اُن پڑوسیوں کو نصیحت کی کہ وہ ایک دوسرے کی مشکل آسان کریں، نہ کہ اُن کے لئے تنگی پیدا کریں۔

---

(97) مسند الامام احمد: 43/4 (حدیث: 6004)

بخاری: کتاب المظالم/ باب لا یمنع جار جارہ أن یغرز خشبہ فی جدارہ (حدیث: 3463)

مسلم: کتاب المساقاۃ/ باب غرز الخشب فی جدار الجار (حدیث: 4215)

تقاضا کرنے میں آسانی

اسلام میں ہمدردی اور مالی امداد کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بھی 'یُسر' کے اُصول پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمدردی کا معاملہ کرنے سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے، پھر اُس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر آپ نے کسی کو قرض دیا تو اُس قرض کی وصولی میں آپ قرضدار کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ اگر آپ نے سختی اور بداخلاقی سے قرض وصول کرنا چاہا تو یہ اسلامی مزاج کے خلاف بات ہوگی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس معاملے میں آسانی برتنے کی تعلیم دی ہے، اگرچہ وہ آپ کا قرضدار ہے، پھر بھی اُس کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرنا اُس کا حق ہے۔

حضرت ابوقتادہ نے کسی کو قرض دے رکھا تھا۔ جب اُنھوں نے اپنے قرضدار سے ملاقات کرنا چاہا تو وہ آپ کو دیکھ کر چھپ گیا۔ پھر کسی دن آپ نے اُس کو پکڑا تو کہنے لگا کہ میں تو تنگ حال ہوں۔ اُنھوں نے کہا: اللہ کی قسم! کیا تم تنگ حال ہو؟ اُس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! تب اُنھوں نے کہا کہ بلاشبہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللَّهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ".

(جسے اِس بات سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن کی پریشانیوں سے نجات دے تو اُس کو چاہیے کہ وہ تنگ حال آدمی کو موقع دے یا اُس کے قرض کو معاف کردے۔)(98)

قرضدار کے ساتھ آسانی کا یہ معاملہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا قیمتی اور اہم ہے کہ اِس ایک معاملے کی وجہ سے اگلی امت کا ایک بہت بڑا گنہگار بخش دیا گیا۔

حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا گیا تو اُس نے پوچھا: تو نے دنیا میں کون سا عمل کیا؟

---

(98) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ/ باب فَضْلِ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ (حدیث:4043)

آدمی نے جواب دیا: میں نے ذرہ برابر کوئی بھلائی نہیں کی جس کی وجہ سے میں تجھ سے کوئی اُمید رکھوں۔

اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اُس سے یہی سوال کیا تو اُس آدمی نے تیسری مرتبہ یہ جواب دیا کہ اے پروردگار! تو نے مجھے دنیا میں مالدار بنایا تھا، میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا۔ میری عادت تھی کہ میں درگزر سے کام لیتا تھا۔ میں آسودہ حال شخص کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتا تھا اور تنگ حال شخص کو رقم کی ادائگی میں مہلت دیتا تھا۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: درگزر کرنے کی یہ شان تو تجھ سے زیادہ میری ہے۔ اے فرشتو! میرے بندے کو معاف کردو، چنانچہ اُسے بخش دیا گیا۔(99)

کھانے میں آسانی

اسلام کی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ کھانے پینے کے معاملات میں دوسرے کی رعایت کی جائے۔ خاص طور پر اُس پڑوسی کی رعایت جس کے یہاں روزانہ کھانا پکنےکی نوبت نہ آتی ہو۔ جس گھر میں کھانا بنتا ہو، اُس گھر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے، یہاں تک کہ اگر اُس کے پاس کھانے کی مقدار زیادہ نہ ہو تب بھی وہ کوئی ایسی صورت نکالے جس سے اُس کا پڑوسی بھی کچھ کھا پی لے۔ جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی ایک صورت نکالتے ہوئے فرمایا:

”وَإِذَا صَنَعْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَائَهَا ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيرَانِکَ فَأَصِبْهُمْ مِنْهُ بِمَعْرُوف“.

(جب تم شوربہ پکاؤ تو اُس میں پانی زیادہ ڈالو، پھر اپنے پڑوس میں رہنے والوں کو دیکھو، اُنھیں بھی اُس میں سے اچھے طریقے سے دو۔)(100)

---

(99) مسند الامام احمد: 111/7 (حدیث: 4043)
بخاری: کتاب البیوع/باب مَنْ أَنْظَرَ مُوسِرًا (حدیث: 2070)
مسلم: کتاب المساقاۃ/باب فَضْلِ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ (حدیث: 4043)
(100) مسند الامام احمد: 533/8 (حدیث: 22040)

ایک روایت اِس طرح سے ہے:

"إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ".

(جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے تو اُس کا شوربہ زیادہ کرنا چاہئے، اگر اُسے بوٹی نہ ملے گی تو شوربہ تو مِل جائے گا اور شوربہ بھی گوشت کی ایک قسم ہے۔) (101)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

" يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَائَهَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ".

اے ابوذر! جب تم شوربہ پکاؤ تو اُس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو۔) (102)

لوگ اگر اِن حقوق کو ادا کرتے رہیں تو پڑوسی کی زندگی میں آسانی پیدا ہوجائے اور اُس کے کھانے پینے کی تنگی دور ہوجائے۔

مقتدی کی آسانی

آدمی کو اختیار ہے کہ جب وہ تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی چاہے نماز پڑھے، لیکن اگر وہ امامت کررہا ہو تو اُسے یہ اختیار ہرگز نہیں ہوگا۔ اِمامت کی صورت میں اُسے اپنے تمام مقتدیوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ ہدایت فرمائی ہے:

" إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ".

---

(101) ترمذی: کتاب الأطعمة/ باب مَاجَاءَ فِي إِكْثَارِ مَاءِ الْمَرَقَةِ (حدیث:1948)

(102) مسلم: کتاب البر والصلة والآداب/ بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالْجَارِ وَالإِحْسَانِ إِلَيْهِ (حدیث:6895)
ابن ماجة: کتاب الأطعمة/ باب مَنْ طَبَخَ فَلْيُكْثِرْ مَاءَهُ (حدیث:3427)

(جب تم میں سے کوئی،لوگوں کو نماز پڑھائے تو اُسے ہلکی نماز پڑھانی چاہئے، کیونکہ اُن میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی چاہے نماز پڑھے۔)(103)

نماز جیسی عبادت کے لئے بھی لوگوں کی رعایت کرنا ضروری ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی جو صحابہ امامت کرتے تھے،اُنھیں بھی یہی حکم تھا۔جو اِس کی رعایت نہ کرتا تھا،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے بہت ناراض ہوتے تھے۔ہم اِس طرح کے دو واقعوں کا یہاں ذکر کرتے ہیں:

پہلا واقعہ

ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم، میں فجر کی نماز میں فلاں امام کے ڈر سے لیٹ ہوجاتا ہوں، کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ناراض ہوئے۔

اِس حدیث ک ے راوی ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا زیادہ ناراض ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

آپ نے اُس آدمی کی شکایت سن کر ارشاد فرمایا:

” أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ “.

(اے لوگو! تم میں سے کچھ لوگ دور بھگانے کا کام کررہے ہیں۔تم میں سے جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہئے کہ مختصر پڑھائے، کیونکہ اُن میں کمزور، بوڑھے اور

---

(103) المؤطا: کتاب صلاۃ الجماعۃ/ باب الْعَمَلِ فِی صَلَاۃِ الْجَمَاعَۃِ (حدیث:303)

مسند الامام احمد: 139 /4 (حدیث:7882)

بخاری: کتاب الأذان/ باب إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ (حدیث:703)

مسلم: کتاب الصلاۃ/ باب أَمْرِ الأَئِمَّةِ بِتَخْفِيفِ الصَّلاَةِ فِی تَمَامٍ (حدیث:1075)

اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔)(104)

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ ناراض ہو جانا، صرف اِسی وجہ سے تھا کہ جماعت کی نماز کو طول دینے سے طرح طرح کی تنگی اور پریشانی پیدا ہو جاتی ہے، لھذا جو معاملہ دوسرے بہت سے لوگوں سے جڑا ہوا ہو، اُس میں آسانی اور رعایت کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔

دوسرا واقعہ

ایک آدمی اپنی اونٹنیوں کو لے کر گھر واپس آ رہا تھا۔ راستے میں رات ہوگئی۔ اُس نے سوچا کہ نماز پڑھتے چلیں۔ مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں تو وہ جماعت میں شریک ہوگیا۔ حضرت معاذ نے سورۃ البقرۃ یا سورۃ النساء شروع کر دی (جو قرآن کی لمبی سورتیں ہیں) یہ دیکھ کر وہ جماعت سے الگ ہوگیا اور تنہا نماز پڑھ کر گھر لوٹ آیا۔

حضرت معاذ کو لوگوں نے بتایا تو اُنھوں نے اُسے برا بھلا کہا اور اُسے منافق کہہ دیا۔ یہ خبر اُس آدمی کو لگی تو اُس نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر پورا حال سنایا۔ اُس آدمی کی باتیں سن کر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ کہنے لگے:

"أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ".

(اے معاذ! کیا تم بہت بڑے فتنہ پرور ہو گئے ہو۔ اے معاذ! کیا تم بہت بڑے فتنہ پرور ہو گئے ہو۔)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

" فَصَلَّى وَرَائَكَ الْكَبِيرُ وَذُو الْحَاجَةِ وَالضَّعِيفُ".

---

(104) مسند الامام احمد: 112 / 7 (حدیث: 703)

بخاری: کتاب الأذان / باب تَخْفِيفِ الإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ (حدیث: 702)

مسلم: کتاب الصلاۃ / باب أَمْرِ الأَئِمَّةِ بِتَخْفِيفِ الصَّلاةِ فِي تَمَامٍ (حدیث: 1072)

(تمھارے پیچھے بوڑھے، ضرورتمند اور کمزور بھی نماز پڑھتے ہیں۔)(105)
رات ہوگئی تھی اور اُس آدمی کو اپنے گھر جانے کی فکر تھی، وہ جلدی چاہتا تھا، لیکن حضرت معاذ کی طویل نماز دیکھ کر اُکتا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اُس مصیبت کو جان لیا تھا جو جماعت کی نماز کو طول دینے کی وجہ سے پیدا ہوسکتی تھی۔ جس مسجد میں اِس طرح کی نماز پڑھی جائے گی، اُس مسجد میں لوگ جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ اِس لئے اللہ کے رسول ﷺ اِس چیز کا بہت زیادہ لحاظ فرماتے تھے اور خود بھی ایسی نماز پڑھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

» إِنِّي لأَقُومُ فِي الصَّلاَةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلاَتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ «

(بے شک میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اُسے طویل کروں، پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے پسند نہیں کہ میں بچے کی ماں پر بوجھ ڈالوں (جو میرے ساتھ نماز میں شریک ہے۔)(106)

تبلیغ سے اُکتاہٹ

وعظ و تبلیغ اہم بھی ہے اور ضروری بھی۔ عوام و خواص کو دین سکھانے کے لئے یہ ایک مفید اور مؤثر طریقہ ہے، لیکن یہ طریقہ لوگوں کے لئے آسان ہونا چاہئے۔ اگر یہ طریقہ

---

(105) مسند الامام احمد: 23/6 (حدیث: 703)
بخاری: کتاب الأذان/ باب مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ (حدیث: 705)
مسلم: کتاب الصلاۃ/ باب القِرَاءَةِ فِي العِشَاءِ (حدیث: 1068)
(106) مسند الامام احمد: 299/9 (حدیث: 23244)
بخاری: کتاب الأذان/ باب مَنْ أَخَفَّ الصَّلاَةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ (حدیث: 705)
ابوداؤد: کتاب الصلاۃ/ باب تَخْفِيفِ الصَّلاَةِ لِلأَمْرِ يَحْدُثُ (حدیث: 789)
نسائی: کتاب الإمامة/ باب مَا عَلَى الإِمَامِ مِنَ التَّخْفِيفِ (حدیث: 825)
ابن ماجۃ: کتاب إقامة الصلاۃ والسنة/ باب الإِمَامِ يُخَفِّفُ الصَّلاَةَ (حدیث: 1044)

لوگوں کے لئے زحمت اور اُکتاہٹ پیدا کرنے والا ہوگا تو اُس سے ہمیشہ نتیجہ اُلٹا برآمد ہوگا۔ ذمہ دار صحابہ اُکتاہٹ میں ڈالنے والی تبلیغ سے بچتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہر جمعرات یا ہر سوموار کو وعظ کہتے تھے۔ آپ سے لوگوں نے گزارش کی کہ ہمیں آپ کی گفتگو پسند ہے اور ہم اُس کا شوق رکھتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ روزانہ ہمیں وعظ کیا کریں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہا:

ہمیں جو چیز اِس سے روکتی ہے، وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو اُکتاہت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں وعظ کے معاملے میں تمھاری اُسی طرح رعایت کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کہنے میں ہماری رعایت کرتے تھے۔ آپ چند دن ہی وعظ کہتے تھے، کیونکہ آپ ہمیں اُکتاہٹ میں ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (107)

مسجد کے معاملے میں بھی رعایت

ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ چیخے: رُک، رُک۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُسے ٹوکو مت، چھوڑ دو تو صحابہ نے اُسے پیشاب کرنے کے لئے چھوڑ دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلا کر کہا:

" إِنَّ هَـذِهِ الْمَسَاجِدَ لاَ تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَلاَ الْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلاَةِ وَقِرَائَةِ الْقُرْآنِ ".

(بے شک یہ مسجدیں، اِس طرح پیشاب اور گندگی کرنے کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔)

---

(107) مسند الامام احمد: 2/710 (حدیث: 4532)

مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار/ باب الِاقْتِصَادِ فِي الْمَوْعِظَةِ (حدیث: 2821)

بخاری: کتاب العلم/ باب مَنْ جَعَلَ لأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً (حدیث: 70)

پھر آپ نے ایک ڈول پانی منگا کر اُس پیشاب پر بہا دیا۔(108)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کیا، کیونکہ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اگر اُسے پیشاب کے دوران ہی روک دیا جاتا تو پیشاب روکنے کی وجہ سے وہ تکلیف میں پڑ جاتا، پھر اگر پیشاب ناقابلِ برداشت ہو جاتا تو اُس کا کپڑا آلودہ ہونے یا مسجد کا کوئی دوسرا حصہ ناپاک ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ اِس لئے اُس کے ساتھ رعایت اور آسانی کا معاملہ کیا گیا۔

اِن مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اور معاملات میں بھی آسان رویّہ اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے۔

<<<<>>>>

---

(108) مسند الامام احمد: 550/5 (حدیث: 13325)

بخاری: کتاب الأدب باب الرِّفقِ فِی الأَمرِ کُلِّہِ (حدیث: 6025)

مسلم: کتاب الطہارۃ/ باب وُجُوبِ غَسْلِ الْبَوْلِ وَغَیرِہِ مِنَ النَّجَاسَاتِ (حدیث: 687)

چوتھا حصہ

زندگی کی آسانی

مشکل طریقے میں تقویٰ نہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک صحابیِ رسول ہیں۔ پیشاب کے معاملے میں وہ بہت زیادہ شدّت سے کام لیتے تھے اور پیشاب کی چھینٹ پڑنے کے اندیشے سے وہ شیشے کی بوتل میں پیشاب کرتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ بنی اسرائیل کی شریعت یہ تھی کہ جب کسی کے لباس پر پیشاب لگ جاتا تو وہ لباس کے اُس حصے کو قینچی سے کاٹتا تھا۔

ایک دوسرے صحابیِ رسول، حُذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُنھوں نے ابوموسیٰ اشعری کے سلسلے میں کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ ابوموسیٰ پیشاب کے معاملے میں اتنی شدّت سے کام نہ لیں اور وہ اِس سے باز آجائیں، کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک قوم کے کوڑا خانے کے پاس آئے تو وہاں کھڑے ہوکر آپ نے پیشاب کیا۔(109)

کھلی زمین پر پیشاب نہ کرکے بوتل میں پیشاب کرنا اِس لحاظ سے اچھا طریقہ ہے کہ اِس میں پیشاب کی چھینٹ پڑنے کا اندیشہ نہیں اور ایک مومن بندے کے لئے تو زیادہ سے زیادہ پاک صاف رہنا اور گندگیوں سے بچنا اُس کے ایمان کا تقاضا اور اُس کی شان ہے، مگر چونکہ اِس میں بہت زیادہ تنگی اور دشواری ہے۔ اگر کوئی اِس کی پابندی بھی کرے تو یہ پابندی اُس کے لئے آسان نہیں اور اگر بوتل میں پیشاب کرنا، دین میں پرہیز گاری کا طریقہ ہوجاتا تو پرہیز گاری کا یہ راستہ ایک مشکل راستہ ہوتا نہ کہ آسان راستہ اور دین کا راستہ اپنی فطرت کے اعتبار سے آسان راستہ ہی ہوسکتا ہے۔ اِسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اِس طریقے کو اختیار نہیں کیا، لٰھذا یہ طریقہ پرہیز گاری کا بھی طریقہ نہیں ہوسکتا ہے۔

---

(109) مسند الامام احمد: 482 / 9 (حدیث: 23892)
بخاری: کتاب الوضوء/ باب البَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ (حدیث: 226)
مسلم: کتاب الطہارۃ/ باب المَسْحِ عَلَى الخُفَّيْنِ (حدیث: 648)

عبادت جسمانی ورزش نہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا کہ وہ دو آدمیوں کے کاندھے کا سہارا لے کر چل رہا ہے۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں اُس کے بیٹے ہیں۔ اُس شخص نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل چل کر کعبے کو جائے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

" ارْكَبْ أَيُّهَا الشَّيْخُ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ ".

(اے بوڑھے!، سواری پر بیٹھ جا! اللہ تم سے اور تمھاری نذر سے بے نیاز ہے۔)

ایک روایت میں یہ ہے کہ:

" إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ ".

(بے شک اِس کا اپنے آپ کو ایذا پہنچانے سے اللہ بے نیاز ہے۔)(110)

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت میں جسمانی محنت کرنے سے عبادت کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ عبادت کوئی جسمانی ورزش نہیں ہے، بلکہ یہ ایک روحانی غذا ہے اور یہ غذا روح کو آرام اور سکون کی حالت میں زیادہ نصیب ہوتی ہے۔ پیدل چل کر کعبے تک پہنچنے کے بعد بوڑھا آدمی تھک جائے گا، پھر کعبے کے پاس عبادت کرنے اور کعبے کا طواف کرنے میں اُس کا دل نہیں لگے گا۔ جسم کے تھکنے سے دماغ بھی تھک جائے گا، دماغ کے تھکنے سے فکری مجاہدہ بند ہو جائے گا اور فکری مجاہدہ کے بند ہونے سے روحانی غذا تیار نہیں ہو سکے گی۔ جو اصل مطلوب ہے زندگی کا، وہی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اِسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(110) مسلم: کتاب النذور/ باب مَنْ نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى الْكَعْبَةِ (حدیث: 4337)
ابن ماجۃ: کتاب الکفارات/ باب مَنْ نَذَرَ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا (حدیث: 2217)
سنن الدارمی: کتاب النذور والأیمان/ باب فِي كَفَّارَةِ النَّذْرِ (حدیث: 2336)
صحیح ابن خُزَیمَۃ: کتاب المناسک باب النذر بالحج ماشیا (حدیث: 3043)

عبادت میں تھکنے والے عمل کو پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ اُس بوڑھے شخص نے نذر مانی تھی اور نذر کو پورا کرنا واجب تھا۔ اِس کے باوجود آپ نے اُس کو اپنی نذر ختم کرنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ طریقہ آنے والے لوگوں کے لئے ایک مثال بن جاتا اور پھر لوگ اپنے اپنے طور پر عبادت کے مشکل اور پیچیدہ طریقے ایجاد کرنے لگتے۔ اِس سے دین میں خرابی پیدا ہوتی اور مسلمان فتنے کا شکار ہو جاتے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے اِس طرح کا تجربہ کیا تھا اور وہ مشکلوں میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

اپنے لئے بھی تنگی نہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

" لا یَمْشِیَنَّ أَحَدُکُمْ فِی نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِیُنْعِلْهُمَا جَمِیعًا أَوْ لِیُحْفِهِمَا جَمِیعًا".

(تم میں سے کوئی ایک پاؤں کا جوتا پہن کر نہ چلے یا تو دونوں ایک ساتھ پہنے یا دونوں کو اُتار دے۔)

ایک روایت اِس طرح بھی ہے:

" مَنِ انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهِ أَوْ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِ أَحَدِکُمْ فَلاَ یَمْشِی فِی نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتَّى یُصْلِحَ ".

(جب کسی کے ایک جوتے کا فیتہ ٹوٹ جائے تو جب تک وہ اُسے ٹھیک نہ کر لے، ایک پاؤں کا جوتا پہن کر نہ چلے۔)(111)

---

(111) مسند الامام احمد: 111/6 (حدیث: 14878)

مؤطا امام مالک: کتاب اللباس/ بابِ مَاجَاءَ فِی الِانْتِعَالِ. (حدیث: 4337)

بخاری: کتاب a للباس/ باب لا یَمْشِی فِی نَعْلٍ وَاحِدٍ (حدیث: 5856)

مسلم: کتاب اللباس والزینۃ/ باب استحباب النعل فی الیمنٰی (حدیث: 2097)

+ باب النَّھْیِ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ (حدیث: 2099)

ابوداؤد: کتاب اللباس/ باب فِی الِانْتِعَالِ (حدیث: 4139)

نسائی: کتاب الزینۃ/ باب ذِکْرِ النَّھْیِ عَنِ الْمَشْیِ فِی نَعْلٍ وَاحِدَةٍ (حدیث: 5386)

جوتے پہن کر چلنا پھرنا ایک دنیاوی معاملہ ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی پسند نہیں کہ کوئی شخص دنیاوی معاملے میں بھی تنگی اور مشکل میں پڑے۔ ایک پاؤں کی چپل یا جوتا پہن کر چلنا پھرنا، تکلیف دِہ طریقہ ہے۔ اِس میں گرنے پڑنے کا بھی اندیشہ ہے۔ اِسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طریقہ کو پسند نہیں کیا۔ آپ نے ننگے پاؤں چل لینے کا تو مشورہ دیا، لیکن خطرے والے طریقے کو پسند نہیں فرمایا۔

گوشت اور عورت

ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: بے شک جب میں گوشت کھاتا ہوں تو عورتوں کے لئے بے چین ہو جاتا ہوں اور میری شہوت مجھے دبوچ لیتی ہے، اِس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے۔

تو اُس آدمی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (المائدۃ:87)

(اے ایمان والو! اللہ نے جو پاک چیزیں تمھارے لئے حلال کی ہیں، اُنھیں حرام مت کرو اور حد سے آگے مت بڑھو۔ بیشک اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)(112)

عورتوں کے بغیر زندگی گزارنا، غیر فطری طریقہ ہے۔ اِس سے پریشانی دور ہونے کے بجائے، زندگی کی اُلجھنیں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اِس لئے عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا سامان اکٹھا کرنا چاہئے، نہ کہ اُس سے پیچھا چھڑانے کی تدبیر۔ عورتوں سے

---

(112) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن / باب وَمِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ (حدیث:3331)
المعجم الکبیر:350/11 (حدیث:11981)
تفسیر الطبری:520/10
تفسیر ابن ابی حاتم:1186/4
اسباب نزول القرآن: 207+ لباب النقول:108

پہلو بچانے کی خاطر گوشت کو چھوڑ دینا، بڑی نادانی اور غلطی کی بات ہے۔ آخر کار نفس بے قابو ہوگا اور آدمی کو دھکیل کر تباہی اور بدنامی کے گڑھے میں گرادے گا، پھر زندگی مشکل اور پریشانی میں پڑ جائے گی۔

آج کل کے مسلمانوں کی ایک ٹولی بھی، اِسی طرح کے واہمے کی بنیاد پر گوشت اور انڈے سے بھاگ رہی ہے۔ یہ سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔ یہ پاک اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی ایک مثال ہے۔

حائضہ عورت

یہودیوں کے سماج کا حال یہ تھا کہ جب کسی عورت کو حیض شروع ہوتا تو وہ اُسے کمرے سے باہر نکال دیتے۔ نہ اُس کے ساتھ ایک کمرے میں کھاتے پیتے اور نہ اُس سے جماع کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾

(اورلوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہو کہ وہ گندگی اور بیماری ہے، لٰہذا حیض کی حالت میں عورتوں سے دور رہو۔) (البقرۃ:222)

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ".

(کمروں میں اُن کے ساتھ رَہو سہو اور ہمبستری کے علاوہ ہر چیز کرو۔)(113)

آج کی دنیا اِس دستور کو لاگو کر کے سو فیصد دشواری اور تنگی میں پڑ جائے گی۔

---

(113) مسند الامام احمد:375/5 (حدیث:12688)

مسلم: کتاب الحیض / باب جَوَازِ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا (حدیث:720)

ابوداؤد: کتاب الطہارۃ / باب فِي مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَمُجَامَعَتِهَا (حدیث:258)

نسائی: کتاب الحیض والاستحاضۃ / باب مَا يَنَالُ مِنَ الْحَائِضِ (حدیث:369)

سنن الدارمی: کتاب الطہارۃ / باب مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ (حدیث:1053)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے جانتے تھے کہ یہ دستور میری اُمت کے حق میں درست نہیں، اِس لئے آپ نے واضح طور پر منع کر دیا اور پوری اُمت کو اِس دشواری اور تنگی سے بچالیا۔

گھنی آبادی کے اِس زمانے میں جو آدمی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک ہی کمرے میں گزر بسر کرتا ہے، آخر حیض کے دنوں میں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو کمرے سے باہر نکال کر کہاں رکھتا یا وہ خود کمرے سے باہر کس جگہ بیٹھ کر کھاتا پیتا؟! اِس سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ صرف تنگی اور دشواری کی ہی بات نہیں، بلکہ یہ ایک خلافِ فطرت چیز ہے، جسے نبھانا، اپنی فطرت سے جنگ کرنے کے سوا، کچھ نہیں۔

نکاح سے پہلے

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک معروف صحابی رسول ہیں۔ وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن ذکر کیا کہ وہ کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ آپ نے کہا:

" اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا".

(جا کر پہلے اُسے دیکھ لو، کیونکہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم دونوں کے درمیان نبھے۔)

تو میں اُس عورت کے والدین سے ملا اور اُس عورت کے نکاح کا پیغام دیتے ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اُنھیں بتائی، جسے سن کر اُن دونوں کو جیسے ناگوار گزرا۔

اُس عورت نے گھر کے اندر سے یہ باتیں سن لیں۔

اُس نے کہا: اگر تمھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو تم مجھے دیکھو ورنہ میں تمھیں قسم دیتا ہوں۔

چنانچہ میں نے اُسے دیکھا، پھر اُس سے شادی کر لی۔

بعد میں اُنھوں نے بتایا کہ اُن دونوں کے درمیان اچھی نبھ رہی ہے۔(114)
ہندوستانی رواج کے مطابق، ہندوستانی مسلمانوں میں بھی یہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔ اُن کے نزدیک یہ ایک معیوب بات ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی کو لڑکے کے سامنے کیا جائے تاکہ لڑکا اُسے دیکھے۔ اصل میں یہ ایک قدیم دقیانوسی تہذیب تھی، جسے لوگوں نے شرافت کی علامت سمجھ رکھا تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے باقاعدہ اِس تہذیب کی مخالفت کی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کے ذریعے زور دے کر، اِس روایت کو توڑا، کیونکہ اِس روایت کی بنیاد پر بننے والا رشتہ، زیادہ تر ناپسندیدہ اور کمزور رشتہ ہوتا ہے۔ رشتہ اُس صورت میں زیادہ پختہ اور خوشگوار ہوتا ہے، جب لڑکا اپنی آنکھوں سے لڑکی کو دیکھ کر پسند کرلے اور اُس سے مطمئن ہوجائے۔ یہاں دیکھنے کا مطلب، تصویر کی طرح بس چہرہ دیکھ لینا نہیں، کیونکہ اِس سے اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی، لڑکے کے سامنے آئے اور لڑکا اُس کی نقل وحرکت کو دیکھے اور اُس کے طور طریقے کو سمجھے۔ ایک بار کی ملاقات میں بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو پہلی ملاقات فیصلہ کن ملاقات ہوتی ہے۔ یا تو دل کی توجہ ہوتی ہے اور محبت کی بنیاد پڑ جاتی ہے، یا طبیعت کو

---

(114) مسند الامام احمد: 422/7 (حدیث: 18627)
مصنف عبدالرزاق: 156/6 (حدیث: 10335)
ترمذی: کتاب النکاح/باب مَاجَاءَ فِی النَّظَرِ إِلَی الْمَخْطُوبَۃِ (حدیث: 1110)
نسائی: کتاب النکاح/باب إِبَاحَۃِ النَّظَرِ قَبْلَ التَّزْوِیجِ (حدیث: 3235)
سنن الدارمی: کتاب النکاح/باب الرُّخْصَۃِ فِی النَّظَرِ إِلَی الْمَرْأَۃِ عِنْدَ الْخِطْبَۃِ (حدیث: 2172)
ابن ماجہ: کتاب النکاح/باب النَّظَرِ إِلَی الْمَرْأَۃِ إِذَا أَرَادَ أَنْ یَتَزَوَّجَہَا (حدیث: 1939)
المعجم الکبیر: 433/20 (حدیث: 1052)
المستدرک: 196/2 (حدیث: 2754)
مسند ابی یعلٰی 385/3 (حدیث: 3425)
صحیح ابن حبان: 351/9 (حدیث: 4043)

انکار ہوتا ہے اور بات آگے نہیں بڑھتی۔ دُلہا جب نکاح پڑھنے کے بعد اچانک اپنی دُلہن کو دیکھتا ہے تو پسند اور ناپسند کے فیصلہ کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان خوشگوار تعلقات کے لئے ضروری ہے کہ لڑکی، لڑکے کی پسند کی ہو نہ کہ خاندان والوں کے معیار کی، کیونکہ لڑکی کے ساتھ لڑکے کو پوری عمر بسر کرنی ہے، نہ کہ خاندان والوں کے ساتھ۔ خاندان والوں کے پاس تو صرف ایک 'ناک' ہوتی ہے، اُس سے زیادہ کچھ نہیں اور یہ ناک لڑکے کی زندگی پلید کرنے کے لئے کافی ہے۔

چہرہ، جو ہر رشتے اور تعلق کے لئے بنیادی رُول ادا کرتا ہے، اُس چہرے کو اچھی طرح پڑھ لینا اور سمجھ لینا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ چہرے کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر آدمی دھوکے میں آجائے۔ یہی مشورہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصار صحابی کو دیا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے آپ کو خبر دی کہ میں نے انصار کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا: کیا تم نے اُس عورت کو دیکھ لیا ہے۔

اُس آدمی نے جواب دیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا:

" فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا ".

(جاکر اُسے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی لڑکیوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔)(115)

''کچھ ہونے'' کا کیا مطلب؟ ابن حبان اور ابوعوانہ کی روایت میں یہ ہے کہ اُن لڑکیوں کی

---

(115) مسند الامام احمد: 186/4 (حدیث: 8061)
مسلم: کتاب النکاح/باب نَدْبِ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِ الْمَرْأَةِ وَكَفَّيْهَا (حدیث: 3550)
نسائی: کتاب النکاح/باب إِذَا اسْتَشَارَ رَجُلٌ رَجُلًا فِي الْمَرْأَةِ هَلْ يُخْبِرُهُ (حدیث: 3246)
مسند ابی یعلی: 438/5 (حدیث: 6158)
صحیح ابن حبان: 349/9 (حدیث: 4041)

آنکھیں چھوٹی ہوتی تھیں۔(116)

اِس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شادی کے معاملے میں کتنے حسّاس تھے۔آپ نے لڑکے کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، اُس کا چہرہ اچھی طرح سمجھ لے، تاکہ بعد میں شکل وصورت کو لے کر کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، لوگوں کی ازدواجی زندگی کو خوشحال بنانے کے لئے اور اُنھیں ازدواجی اُلجھنوں سے بچانے کے لئے، اِس طرح کا مشورہ دیا کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے یہی مشورہ دیا تھا، جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

" إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ ".

(جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اگر یہ ہو سکے کہ وہ اُس عورت کی بعض اُن چیزوں کو دیکھے جس سے اُس کے اندر اُس عورت سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو تو اُسے دیکھ لینا چاہئے۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشورہ سن کر میں نے خاندان بنی سلمہ کی ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو میں اُسے دیکھنے کے لئے کھجور کے درخت کی آڑ میں چھپ جاتا تھا۔آخرکار میں نے اُس عورت کی بعض وہ چیز دیکھ لی جس نے میرے اندر اُس سے

---

(116) مسند ابی عوانہ: 17/3 (حدیث: 4041)
صحیح ابن حبان: 349/9 (حدیث: 4041)
امام غزالی لکھتے ہیں کہ: یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کمزور ہوتی تھیں جن سے اکثر پانی بہتا رہتا تھا۔علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ پہلی والی وجہ (آنکھوں کا چھوٹا ہونا) زیادہ قابلِ اعتماد ہے، کیونکہ اُس کا ذکر ابو عوانہ کی روایت میں آیا ہے۔(فتح الباری: 227/9)
راقم الحروف نے ابن حبّان کی روایت میں بھی اُسے دیکھا ہے۔

نکاح کا شوق پیدا کر دیا، لھٰذا میں نے اُس سے شادی کر لی۔(117)

فقہا نے اِس مسئلہ کو اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے اور یہ سوال اُٹھایا ہے کہ چھپ کر دیکھنا چاہئے یا لڑکی کی مرضی سے دیکھنا چاہئے۔

بعض نے یہ لکھا کہ چھپ کر نہیں دیکھنا چاہئے، کیونکہ چھپ کر دیکھنے میں نہیں معلوم وہ کیا کیا دیکھ جائے، لھٰذا لڑکی کی مرضی سے دیکھا جائے تا کہ اُس کے علم میں رہے تو وہ اُس کا لحاظ کرتے ہوئے لڑکے کے سامنے آئے گی۔

ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر لڑکی کی اجازت اور اُس کی مرضی سے دیکھا جائے گا تو یہ اُس کے لئے شرم کی بات ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیکھنے کے بعد لڑکے کو پسند نہ آئے تو اِس سے اُس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

لیکن حدیثوں کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کوئی طے شدہ معاملہ نہیں ہے کہ جب بھی دیکھنا ہو تو چھپ کر ہی دیکھا جائے یا اجازت لے کر ہی دیکھا جائے۔ یہ حالات اور رواج پر موقوف ہے۔ کسی کے لئے یہ حالات ہو سکتے ہیں کہ وہ کھل کر نہ دیکھ سکے تو اُسے چھپ کر دیکھ لینا چاہئے۔ کسی کے یہاں لڑکی دِکھانے کا رواج ہوگا تو لڑکی کی اجازت اور مرضی کے ساتھ دیکھا جائے۔

فقہا نے یہ سوال بھی اُٹھایا ہے کہ عورت کے بدن کے کس حصے کو دیکھنا جائز ہے اور کس حصے کو دیکھنا نا جائز؟

کچھ لوگوں نے کہا کہ صرف ہاتھ اور چہرے کو دیکھ سکتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ بدن کے جس حصے پر گوشت ہو، اُسے دیکھ سکتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔

کسی نے کہا کہ لباس پہننے کے بعد عورت کے بدن کا جو حصہ کھلا رہتا ہے، اُسے

---

(117) مسند الامام احمد: 131 / 6 (حدیث: 14960)

ابوداوٗد: کتاب النکاح / باب فِی الرَّجُلِ یَنْظُرُ اِلَی الْمَرْاَۃِ وَھُوَ یُرِیدُ تَزْوِیجَھَا (حدیث: 2084)

المستدرک: 196 / 2 (حدیث: 2753)

دیکھنا جائز ہے۔

لیکن یہ لڑکی کے جسم کے حصوں کی نشاندہی کرنے کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک معیار بتانا ہے کہ شریف گھرانے کیلڑکے جس طرح اجنبی لڑکیوں کو دیکھتے ہیں اور اُن کے دل میں جن چیزوں سے 'عورت' کا شوق پیدا ہوتا ہے، وہی دیکھنے کا معیار ہے۔

واضح رہے کہ انسانی تہذیب کی شرافت کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ یہاں وہ شرافت، معیاری شرافت ہے جو شریعت میں ناجائز و حرام نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بنیادی مقصد یہ ہے کہ جن اہم وجہوں سے شادی شدہ جوڑا مصیبت میں پھنس جاتا ہے، اُسے اُس مصیبت سے دور رکھا جائے تاکہ زندگی کا پہیہ خوب آسانی کے ساتھ گھومتا رہے۔

<<<>>>>

خاتمہ

دعوتِ دین کا آسان طریقہ

دین کے اندر پائی جانے والی رعایت اور اُس کے احکام کی سہولت کو سمجھنے کے لئے دعوتِ دین کے اُس طریقے کو غور سے دیکھنا ہوگا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے دین کی دعوت پیش کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اِس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے جو شخص کھڑا ہوگا، اُس کے لئے ضروری ہوگا کہ پہلے وہ اچھی طرح یہ سمجھ لے کہ اُسے 'کام' کہاں سے شروع کرنا ہے۔ پیغمبر کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ اُن کے پاس عقائد اور احکام کا ایک مجموعہ ہو اور وہ ہر ایک کے سامنے اُسی مجموعے کو رکھتے جائیں اور یہ مطالبہ کرتے رہیں کہ دین میں داخل ہونے کے لئے یکبارگی اِس مجموعے کو ماننا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو پیغمبرِ اسلام کا مشن، اُن کے اپنے گھر میں بند پڑا رہ جاتا اور اُسے کبھی باہر نکلنے کا موقع نصیب نہیں ہوتا، لیکن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ دین کے آغاز کا ایک ایسا طریقہ پیش کیا جو حکمتوں سے بھرا ہوا بھی ہے اور آسان بھی اور یہ آسانی داعی کے لئے بھی ہے اور مدعو کے لئے بھی۔

چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجنے لگے تو اُنھیں یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ بلاشبہ تم ایسی قوم کی طرف جارہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں، لٰھذا پہلے اُنھیں یہ دعوت دینا کہ:

''اِس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں''۔

اگر وہ تمھاری اِس بات کو مان لیں تو اُنھیں بتانا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے تم پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں''۔

اگر وہ تمھاری اِس بات کو مان لیں تو اُنھیں بتانا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے تمھارے مال کی زکوٰۃ تم پر فرض کی ہے، جو تمھارے مالداروں سے لے کر تمھارے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔

اگر وہ تمھاری اِس بات کو مان لیں تو اُن کا عمدہ مال زبردستی مت لینا اور مظلوم کی آہ سے بچنا، کیونکہ اُس کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہوتی''۔(118)

دعوتِ دین کا یہ کتنا آسان اور دلکش انداز ہے۔ اُس کی آسانی اور دلکشی یہ ہے کہ یہاں کوئی لگا بندھا دینی نصاب نہیں ہے، جسے یکبارگی لاگو کردینا ہے، بلکہ یہ ایک مرحلہ وار تعلیمی اور تربیتی طریقہ ہے۔ یہ طریقہ اتنا زیادہ شاندار اور مؤثر ثابت ہوا کہ اپنا دین چھوڑ کر 'اسلام' میں داخل ہونے والوں کے لئے نہ کوئی اُلجھن رہتی اور نہ کسی طرح کی جلدبازی ہوتی۔

آج غیرمسلموں کو اسلام سے دلچسپی نہ رہی، کیونکہ ہم نے اسلام کی آسانی اور سادگی کو ختم کرکے اُسے غیرضروری رسم ورواج کا ایک ایسا دفتر بنا کر رکھ دیا ہے جسے دیکھ ہی کر لوگ گھبرا جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ لگانے کی بھی زحمت نہیں کرتے۔ پیغمبر نے جو اسلام دیا تھا، اُسے چھوڑ کر روایتی اسلام کو ہم لئے پھر رہے ہیں اور جب روایت کی بات آتی ہے تو ہر قوم کے پاس اُس کی اپنی ایک روایت موجود ہے، اِس لئے اُنھیں 'اسلام' سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟

ہمارے زمانے کی ایک مصیبت یہ ہے کہ عوام وخواص میں سے بہت سے لوگ

---

(118) مسند الامام احمد: 2/77 (حدیث:2103)

بخاری: کتاب الإیمان/ باب أُخذِ الصَّدَقةِ مِنَ الأَغنِیَاءِ (حدیث:1496)

مسلم: کتاب الإیمان/ باب الدُّعَاءِ إِلی الشَّھَادَتَینِ وَشَرَائِعِ الإِسلَامِ (حدیث:130)

ابوداؤد: کتاب الزکاۃ/ باب فِی زَکَاۃِ السَّائِمَۃِ (حدیث: حدیث:1586)

ترمذی: کتاب الزکاۃ/ کتاب باب مَاجَاءَ فِی کَرَاھِیَۃِ أُخذِ خِیَارِ المَالِ فِی الصَّدَقَۃِ (حدیث:627)

نسائی: کتاب الزکاۃ/ باب وُجُوبِ الزَّکَاۃِ (حدیث:2435)

ابن ماجہ: کتاب الزکاۃ/ باب فَرضِ الزَّکَاۃِ (حدیث:1855)

صرف اُسی کو مسلمان سمجھتے ہیں جو انتہائی مسلمان ہو اور اُسے وہ مسلمان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جو ابتدائی مسلمان ہو۔ یہ ذہن اِسی لئے پیدا ہوا ہے کہ اُن لوگوں نے 'اسلام' کو ایک مجموعہ سمجھ رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اسلام کا یہ معیار بنا لیا جائے گا تو ہر مسلمان کو اُس مجموعہ سے ملا کر دیکھا جائے گا۔ اگر وہ مجموعہ کے مطابق ہے تو مسلمان ہے، ورنہ نہیں۔

مسلمان جو گروہوں میں تقسیم ہو چکا ہے یا تقسیم ہو رہا ہے، اُس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ سب کے پاس اسلام کا ایک ایک ایڈیشن موجود ہے اور کسی کا ایڈیشن دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ جب کسی کے پاس کوئی نقطۂ اتحاد ہی نہیں ہے تو تقسیم اور اختلاف کے سوا اور کیا ہوگا؟

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

<<<>>>>

مآخذ ومراجع

تفسیر

1.اسبابُ نزول القرآن	علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۲. لُباب النقول	عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (۹۱۱ھ)	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت
۳. تفسیر الطبری	ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)	مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ
۴. تفسیر ابن مُنذر	محمد بن ابراھیم بن المُنذر (۳۱۹ھ)	دارالمآثر، المدینۃ المنورۃ
۵. تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد-ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ)	مکتبۃ نزار المصطفی الباز، الریاض
۶. تفسیر الثعلبی	احمد بن ابراھیم الثعلبی (۴۲۷ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۷. تفسیر الواحدی	علی بن احمد الواحدی (۴۶۸ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۸. تفسیر البغوی	الحسین بن المسعود البغوی (۵۱۰ھ)	دارطیبۃ، الریاض
۹. تفسیر القرطبی	محمد بن احمد الانصاری القرطبی (۶۷۱ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۱۰. تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ)	دارطیبۃ، الریاض

حدیث

۱۱. الموٴطا	مالک بن انس (۱۷۹ھ)	مجموعۃ الفرقان التجاریۃ
۱۲. مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی (۲۱۱ھ)	المجلس العلمی، سورت، الھند
۱۳. مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر ابن ابی شیبۃ (۲۳۵ھ)	الفاروق الحدیثۃ، القاھرۃ
۱۴. مسند الامام احمد	احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)	دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۱۵. سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ)	دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت

۱۶. صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۷. صحیح مسلم	مسلم بن حجّاج القُشیری (۲۶۱ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۸. سنن الترمذی	محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (۲۷۹ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۹. سنن ابی داود	ابوداود اشعث بن سلیمان السجستانی (۲۷۵ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۰. سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۱. سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید-ابن ماجہ القزوینی (۲۷۳ھ)	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۲. الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)	دار الصدیق، بیروت
۲۳. مسند ابی یعلی	احمد بن علی-ابویعلی الموصلی (۳۰۷ھ)	ادارۃ العلوم الاثریۃ، پاکستان
۲۴. صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق بن خزیمۃ (۳۱۱ھ)	المکتبۃ الاسلامی، بیروت
۲۵. مسند ابی عوانۃ	یعقوب بن اسحاق-ابوعوانۃ (۳۱۶ھ)	دار المعرفۃ، بیروت
۲۶. صحیح ابن حبان	محمد بن حبان البُستی (۳۵۴ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۲۷. المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)	مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ
۲۸. المستدرک	محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری (۴۰۵ھ)	دار الحرمین، القاہرۃ
۲۹. شعب الایمان	ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)	مکتبۃ الرشد، الریاض
۳۰. کشف الاستار	علی بن ابی بکر الہیثمی (۸۰۷ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
شرح الحدیث		
۳۱. شرح ابن بطال	علی بن خلف-ابن بطّال (۴۴۹ھ)	مکتبۃ الرشد، الریاض
۳۲. فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳ھ)	دار السلام، الریاض
اللغات		
۳۳. الصحاح	اسماعیل بن حماد الجوہری (۳۹۳ھ)	دار العلم للملایین، بیروت

۳۴. النهایۃ	ابن الاثیر الجزری (۶۰۶ھ)	المکتبۃ الاسلامیۃ، الریاض
۳۵. مختار الصحاح	محمد بن عبد القادر الرازی (۶۶۶ھ)	مکتبۃ لبنان، بیروت
۳۶. المصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی الفیّومی (۷۷۰ھ)	المکتبۃ العلمیۃ، بیروت